ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریا گنج

"آپ شکایت کرتے ہیں کہ موجودہ زمانے میں دوسروں کا تو ذکر کیا
خود اسلام کے علمبرداروں کا اخلاقی زوال اس حد کو پہنچ چکا ہے
کہ اس کو دیکھ کر دل بیٹھ جاتا ہے۔ لیکن کیا وہ معاشرہ ہمارے
معاشرے سے بہتر تھا جس میں اسلامی دعوت کا آغاز ہوا
تھا؟ ہر شخص جانتا ہے کہ وہ معاشرہ ہمارے معاشرے سے
بدرجہا بدتر تھا۔ لیکن اللہ کے رسول اور ان کے ساتھیوں
نے اسی کے اندر کام کیا اور اس کو بدل کر رکھ دیا۔"

(امین احسن اصلاحی)

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیات نو

بلریاگنج

جلد نمبر ۱۳	ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ اگست ۱۹۹۸ء	شمارہ نمبر ۸

مدیر مسئول	مدیر	مدیر معاون
نور محمد فلاحی	عبد البر اثری فلاحی	انیس احمد فلاحی

سالانہ زر تعاون: 50.00 روپے	طلبہ کے لئے: 40.00 روپے
خصوصی زر تعاون: 100.00 روپے	اعزازی زر تعاون: 1000.00 روپے
بیرون ملک سے: 25.00 امریکی ڈالر	قیمت فی شمارہ: 5.00 روپے

اس دائرے میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے، لہذا جلد سالانہ زر تعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ "مجلہ حیات نو" جامعۃ الفلاح

بلریاگنج، اعظم گڑھ۔ ۲۷۶۱۲۱ (یو.پی.) فون نمبر 05466-25115

[illegible]

[illegible]	[illegible]	٦
[illegible]	[illegible]	٢
[illegible]	[illegible]	٢١
[illegible]	[illegible]	٥٦
[illegible]	[illegible]	٤٦
[illegible]	[illegible]	١٦
[illegible]	[illegible]	٦٦
[illegible]	[illegible]	٥٦
[illegible]		٢٦

مہمان اداریہ

سارا چمن اداس ہے مالی نہیں رہا

مولانا افتخار الحسن مظہری

جب بھی دنیا سے بچھڑ کر کوئی جاتا ہے تو رونے والی آنکھیں روتی ہیں لیکن مولانا کی جدائی پر آنکھیں کم اور دل زیادہ روئے۔ روتے روتے آنکھوں کے آنسو خشک ہو جاتے ہیں تو رونا موقوف ہو جاتا ہے، لیکن دل روتا ہے تو نہ پلکیں بھیگتی ہیں نہ آواز آتی ہے، اس لئے اس کا رونا جلد موقوف بھی نہیں ہوتا۔ گل کی ہم نشینی مدتوں یاد آتی رہتی ہے اور دل کو رلاتی رہتی ہے۔ طلبہ و طالبات ان کو یاد کر کے آج بھی روتے ہیں کل بھی روئیں گے اور بہت دنوں تک رویا کریں گے۔

جان کر من جملہ خاصان میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

ایسا صرف اسلئے ہے کہ مولانا طلبہ و طالبات کے ہونٹوں پر اپنے بیٹے بیٹیوں کا تبسم دیکھنے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ میں نے ایک بار ان سے پوچھا: "مولانا بتایئے کیا کوئی استاد طلبہ سے اپنے بیٹوں جیسی محبت رکھتا ہے؟" انہوں نے سنجیدگی سے مسکرا کر فرمایا: "تمام طلبہ سے تو نہیں، بعض طلبہ سے بعض اساتذہ ضرور ایسی محبت رکھتے ہیں۔ جو طلبہ و طالبات اپنی صلاحیت و لیاقت اور خدمت و اطاعت کی بنا پر استاد سے قریب ہو جاتے ہیں، استاد ان کو اپنا ہی سمجھتا ہے۔" میں نے پوچھا: "کوئی ایسا نام بتایئے جس کو آپ اپنے بیٹے اور بیٹی کی طرح مانتے ہیں؟" وہ کھل کر مسکرائے، ایمائیت سے بھرپور ایک جملہ بولے جس کا مدعا اپنے صدر پر میں نے مولانا نعیم الدین اصلاحی صاحب کو سمجھا، طالبات میں کچھ اس وقت معلمہ ہیں، کس کی جانب اشارہ کیا یاد نہیں رہا۔

مولانا طلبہ و طالبات کو اپنے بیٹے، بیٹیوں کی طرح سمجھتے تھے اور جامعہ کو اپنے گھر کی طرح۔ اس کا اندازہ مجھے اسی وقت ہوا جب ایک روز کلاس آتے ہوئے وہ مجھے راستے میں ملے۔ اس وقت طالبات کا ہاسٹل زیر تعمیر تھا اور تقریباً تکمیل کے مرحلے میں تھا۔ مجھ سے کہا، "آیئے ذرا ہاسٹل دیکھ لیا جائے۔" میں ساتھ ہو لیا۔ وہ ایک ایک گوشے پر جما جما کر نگاہ ڈالتے اور پوچھتے کیسا ہے؟ انہیں ایام میں انکے گھر جانے کا ایک بار اور اتفاق ہوا۔ ناؤ نوش کی رسم کہن پوری کرنے کے بعد فرمایا، "چلئے آپکو اپنے چمنستان کی سیر کرا لائیں۔" ایک دو گلی کے بعد ایک گیٹ پر پہنچے، گیٹ کھلا، میں نے پہلا قدم اندر رکھا تو دیکھا دو رویہ کیاریوں میں نوع بہ نوع کے پھول ہمارے استقبال کیلئے تبسم کی چاندنی لٹا رہے ہیں۔ مولانا نے وہاں بھی ایک ایک چیز پہ مجھے اسی طرح متوجہ کیا جس طرح زیر تعمیر ہاسٹل کی زیارت کے موقع پر کیا تھا۔ میں نے اس وقت انکے سینے میں جذبہ کی وہی آنچ محسوس کی جو ہاسٹل دکھاتے وقت محسوس کی تھی۔ مجھے یہ فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگی کہ جامعہ سے آپکو بالکل گھر جیسی ہی محبت ہے اور شاید اسی محبت نے طلبہ و طالبات سے ان کو "دادا" کہلوایا۔ میں نے پوچھا، "گھر پر آپکو زیادہ اچھا لگتا ہے یا جامعہ میں۔" کہنے لگے، "گھر پر بچے اپنے کام میں مصروف رہتے ہیں، میں تنہا رہتا ہوں، تنہائی سب کو کاٹتی ہے اور جامعہ میں لڑکے ہر وقت محبت بانٹتے رہتے ہیں، دل باغ باغ رہتا ہے۔"

جامعہ سے مولانا کی محبت دراصل جماعت کی محبت سے ہم رشتہ تھی اور سچی بات یہ ہے کہ انکی ہر محبت جماعت کی محبت کے تابع تھی۔ جماعت انکی دینی اور ایمانی زندگی کے نصب العین کی نمائندہ تھی اور مولانا مودودی اس نصب العین کے داعی اول کی حیثیت سے انکے حبیب و محبوب۔ اس نصب العین کا سورج گردش و تحریک میں آیا تو جو مطلع اس کی روشنی سے چمکنے لگے انکو ان سے محبت ہو گئی، پھر اس نصب العین کیلئے رجال سازی کے مرکز کی حیثیت سے جامعۃ الفلاح وجود میں آیا تو یہ انکے دل

ودماغ کی دھڑکن بن گیا۔ وہ بہر حال اسے نیک نام اور ظاہری اعتبار سے بھی پرکشش دیکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے جب جامعہ کے صدر گیٹ کی تعمیر کا وقت آیا تو مولانا کچھ زیادہ ہی مضطرب نظر آئے۔ انکو فکر تھی کہ کہیں گیٹ ایسا نہ بنا دیا جائے جو جامعہ کے شایان شان نہ ہو۔ انکی تجویز تھی کہ گیٹ محراب نما، بلند و بالا ہو اور اسکے دونوں جانب دو برامدے ہوں اور ان سے متصل دو کمرے۔ آخر انکی محبت کو فتح حاصل ہوئی اور ان ہی کا تجویز کردہ نقشہ تعمیر کے لئے پاس ہوا۔ جب گیٹ کی تعمیر مکمل ہوئی تو پہلی بار گیٹ کے پاس مولانا بجا طور پر اس کیفیت کے عالم میں نظر آئے جیسے شاہجہاں نے تاج محل بنوالیا۔ خوشی سے ان کا چہرہ دمک رہا تھا، ہنس ہنس کر پوچھنے لگے: "آپ کو کیسا لگا؟"

میں نے کہا، "مولانا دوسرے لوگ اسے اینٹ اور چونے کا بنا ہوا گیٹ ہی دیکھ رہے ہیں۔" انہوں نے کہا، "اسی لئے تو آپ سے پوچھ رہا ہوں کہ گیٹ کیسا لگا؟" میں نے کہا، "انکے جمال پنہاں کو دیکھنے کی نظر مجھ میں کہاں! بظاہر اینٹ اور سمنٹ کی بنی ہوئی چیزوں میں کسی کی آرزوؤں کا جمال دیکھ لینا تو بڑی دیدہ وری اور صاحب نظری کی بات ہے۔"

پھر سڑک پر کھڑے ہو کر وہ گیٹ کی محرابوں کو سر اٹھا کر دیکھنے لگے۔ اس وقت ان کے اندرون میں جذبات کی لہر اٹھی ہوئی، وجدان کے نقوش چہرے پر نمایاں ہو کر غمازی کر رہے تھے کہ محرابوں کے درمیان جلوۂ طور و فاران دیکھنے کے وہ آرزو مند ہیں۔ ان کی دلی تمنا تھی کہ یہاں طلبہ اسلامی تہذیب و ثقافت کے ایسے نمائندہ ہوں کہ در و دیوار بھی انکے پر تو سے چمک اٹھیں اور اپنے دیکھنے والوں کو اس کی دعوت پیش کریں۔ اسی وجہ سے وہ طلبہ و طالبات میں علمی و ادبی ذوق کی تعمیر و تربیت کے ساتھ ان کی تخلیقی بیداری اور ان کے اندر اخلاقی اور دینی شعور کی آبیاری کو اولیت دیتے تھے۔ وہ اس تعلیم کو بے فائدہ و بے مقصد سمجھتے تھے جو طلبہ میں اس تہذیبی و اخلاقی احساس کو پروان نہ چڑھائے جو ان کی صالح تعمیر کیلئے ان میں تحریک و اضطراب پیدا کرے۔

سلمہ بن دینارؒ

تحریر: عبدالرحمن رافت پاشا — ترجمانی: ابو خلیس ندوی

مدینہ ہر مسلمان کی فرودگاہ آرزو ہے، جہاں پہنچ کر تمنائی بے قراری کو قرار آ جاتا ہے۔ غریب و نادار ہو یا غنی و مالدار، ہو فقیہ ہو یا امیر شہنشاہ ہو یا گدا سب کے دلوں میں مدینہ کا شوق زیارت راکھ کے ڈھیر میں دبی ہوئی چنگاری کی طرح دمادم تار رہتا ہے اور موقع زاد و راحلہ ہاتھ آتے ہی یہ چنگاری راکھ کے شعلوں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ پھر معاملہ کسی خسروانہ شخص کی تاب و تواں کا ہو تو پوچھنا ہی کیا۔

ہجری سن ۹۷ھ کی بات ہے کہ سلیمان بن عبدالملک کے دل میں زیارت مدینہ کی آرزو جاگی، ایک شہنشاہ کا غرور پیشانی عجز و نیاز کے سجدوں کیلئے تڑپ اٹھا۔ حکم ہوا، سفر کی تیاری مکمل ہوئی۔ علماء، فقہاء، محدثین، صوفیا و اتقیاء، امراء و قائدین خلیفہ کے ہم رکاب ہوئے۔ اموی حکومت کی راجدھانی دمشق سے یہ قافلہ روانہ ہوا۔ وارفتگی شوق کا عالم زبان حال سے کہہ رہا تھا:

کی ہوائے کوئے محمد ﷺ — کھینچنے لگا دل سوئے محمد ﷺ

شاہی خدم و حشم اور شان و شکوہ کے ساتھ یہ قافلہ مدینہ پہنچا۔ خبر پاتے ہی سارا مدینہ خلیفہ کے استقبال کیلئے ٹوٹ پڑا۔ اعیان و اشراف نے خلیفہ کی مزاج پرسی کی اور انہیں نیاز و محبت کا سلام پیش کیا۔ لیکن ایک درویش خدا اپنے کنج عزلت میں مست رہا جسے لوگ اس وقت مدینہ کی آبرو سمجھتے تھے کہ وہی مدینہ کا قاضی اور ان کا سب سے معتمد و معتبر عالم و امام تھا۔

کچھ دیر آرام کے بعد سلیمان بن عبدالملک نے اپنے بعض مصاحبین سے کہا:

"معدنی اشیاء زنگ خوردہ ہو کر جس طرح اپنی زندگی کھو دیتی ہیں اسی طرح دل بھی زنگ خوردہ ہو کر مردہ ہو جاتے ہیں۔ ایسے موقع پر کسی صاحب دل اللہ والے

کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ اپنی تذکیر سے دل کا زنگ دور کر دے۔"

"حق ہے امیر المومنین۔" لوگوں نے کہا۔

"کیا مدینہ میں،" خلیفہ نے کہا، "اب ایسے لوگ نہیں رہ گئے ہیں جو کسی صحابیٔ رسول کی صحبت کے فیض یافتہ ہوں، تاکہ ان کی تذکیر ہمارے ظلمت کدہ بے چراغ کو اجالوں کا مژدہ دکھا سکے۔"

"ابو حازم الاعرج تو موجود ہیں۔" لوگوں نے کہا۔

"یہ کون ہیں؟" خلیفہ نے دریافت کیا۔

"سلمہ بن دینار" لوگوں نے کہا۔

یہ وہ جلیل القدر تابعی ہیں جنھوں نے متعدد صحابہ کی صحبت پائی اور ان کی ذات سے ایسا کسب فیض کیا کہ اب وہی تنہا مدینہ کے عالم و امام ہیں۔

"ان کو بلایا جائے"، خلیفہ نے حکم دیا۔

لیکن ان کو بلانے میں ادب و احترام کی پاسداری کی جائے۔ کچھ لوگ ان کے پاس گئے اور خلیفہ کے پاس چلنے کی ان سے درخواست کی۔ وہ فوراً خلیفہ کے پاس پہنچے۔ خلیفہ نے ان کو اپنے پہلو میں بٹھایا اور شکایت کے لہجے میں کہا، "ابو حازم! اتنی بے رخی اچھی نہیں۔"

ابو حازم: "میں نے کیا بے رخی برتی امیر المومنین؟"

خلیفہ: "یہی کہ تمام باشندگان مدینہ نے ہمیں اپنی ملاقات کی مسرت بخشی لیکن آپ نے اپنی ملاقات کی خوشی ہم سے دور رکھی۔"

ابو حازم: "بے رخی تو اس وقت ہوتی جب ہماری اور آپ کی دیرینہ شناسائی ہوتی۔ آج سے پہلے نہ میں نے کبھی آپ کو دیکھا اور نہ آپ ہی نے اس سے پہلے مجھے جانا سمجھا، پھر اسکو بے رخی پر کیونکر محمول کیا جائے۔"

خلیفہ : "سچ ہے آپ کا عذر معقول ہے اور ہمیں شکایت ہے جو اچھا سمجھتے ہیں آپ سے اپنے دل کے حالات بیان کرنا چاہتا ہوں۔"

ابوحازم : "فرمائیے، اللہ مددگار ہے۔"

خلیفہ : "آخر کیا وجہ ہے کہ ہم موت کے نام سے ڈرتے ہیں؟"

ابوحازم : "اس لئے کہ اپنی دنیا بنانے سنوارنے کی کوشش میں ہم نے اپنی عقبیٰ کو ویران کر لیا ہے۔ اب آپ خود غور کریں کہ اپنی سجی سجائی آسائش گاہ کو چھوڑ کر ویرانوں میں جا کر بسنا کون پسند کرے گا۔"

خلیفہ : "بڑی دل لگتی بات کی آپ نے۔ اچھا بتائیے کہ کل اللہ کے حضور پہنچ کر ہم کو جو کچھ ملے گا دنیا میں اس کا کچھ اندازہ ہم کر سکتے ہیں؟"

ابوحازم : "ہاں! آپ اپنے اعمال کو کتاب اللہ کی میزان پر تولئے، معلوم ہو جائے گا کہ آپ کو وہاں کیا ملنے والا ہے۔"

خلیفہ : "کتاب اللہ میں کس مقام پر ہمیں یہ آگاہی مل سکتی ہے؟"

ابوحازم : "کتاب اللہ کی اس آیت میں "ان الابرار لفی نعیم و ان الفجار لفی جحیم" (الانفطار: ۱۴) (بے شک نیکوکار جنت میں ہوں گے اور فاجر جہنم میں ہوں گے۔)

خلیفہ مبہوت ہو گیا۔ ایسا لگا کہ یہ آیت اس کا دل چیر گئی۔ اس نے پھر تھما کر سوال کیا: "اگر ایسی بات ہے تو پھر اللہ کی رحمت کہاں جائے گی؟" ابوحازم نے فوراً یہ آیت سنائی: "ان رحمة الله قریب من المحسنین" (الاعراف: ۵۶) (اللہ کی رحمت اس سے نیکوکار بندوں کے پاس ہوگی۔)

خلیفہ زار و قطار رو رہا تھا۔ اسے ایسا لگا جیسے ان الفاظ میں بجلیاں بھری ہوئی ہوں۔ اس نے روتے ہوئے پھر سوال کیا: "اللہ کے حضور ہماری پیشی کیسے ہوگی؟"

ابوحازم : "کوئی پردیسی جب پردیس سے گھر لوٹ کر واپس آتا ہے تو کتنا خوش اسے کھینچ کر جس طرح گھر والوں کے پاس لے جاتی ہے اسی طرح نیکوکار لوگوں کو کشش کشاں کشاں ان کے رب کے پاس لے جاتی ہے اور بدکار لوگوں کو اس طرح حاضر کیا جائے گا جیسے مفرور غلام کو کھینچ کر اس کے آقا کے پاس لے جایا جاتا ہے۔"

خلیفہ پر آخرت کا خوف ایسا طاری ہوا کہ رونے لگا اور دیر تک ہچکیاں لے لے کر روتا رہا۔ ذرا دیر کے بعد جب دل ٹھہرا ہوا تو پھر پوچھا: "ہماری فلاح اور اصلاح کا راستہ کیا ہے؟"

ابوحازم : "کبر و غرور چھوڑنے اور آدمیت کا شیوہ اپنانے۔"

خلیفہ کی تشفی اس جواب سے اور زیادہ ہوئی۔ پوچھا
"مال و دولت کے معاملہ میں تقویٰ کی راہ کیا ہوگی؟"

ابوحازم : تقویٰ کی راہ یہ ہے کہ مال جائز طریقے ہی سے حاصل کیا جائے اور جائز طریقے سے ہی خرچ کیا جائے۔ اس کی تقسیم مساویانہ ہو اور رعایا کی مطالبات کی تکمیل میں عدل و انصاف کے تقاضے ملحوظ رکھے جائیں۔"

خلیفہ : "اچھا بتائیے، سب سے اچھا آدمی کون ہے؟"

ابوحازم : "سب سے اچھا آدمی وہ ہے جو متقی بھی ہو اور خوددار بھی۔"

خلیفہ : "اور سب سے اچھی بات کیا ہوگی۔"

ابوحازم : "جس آدمی سے خوف و امید وابستہ ہو اس کے روبرو حق بات کہنا۔"

خلیفہ : "یہ بتائیے کہ کون سی دعا اللہ فوراً قبول کرتا ہے؟"

ابوحازم : "نیکوکار کی دعا جو کسی نیکوکار کے لئے وہ کرے۔"

خلیفہ : "بتائیے، سب سے اچھا صدقہ کون سا صدقہ ہے؟"

ابوحازم : غریب آدمی اپنے پیٹ کی تھوڑی کمائی سے کسی محتاج کی مدد کرے اور اس پر

احسان نہ جتائے، نہ ہی اسکو کوئی ایذا پہنچائے تو یہ سب سے اچھا صدقہ ہے۔"

خلیفہ : "اچھا بتایئے، کون آدمی سب سے زیادہ عقل مند ہے؟"

ابوحازم : "جسے اللہ کی مرضیات کا علم حاصل ہو، ان پر خود بھی عمل پیرا ہو اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دلائے اور اسی پر عمل کرے۔"

خلیفہ : "اچھا عقل مند آدمی کی پہچان بتائی تو اب سب سے زیادہ بے وقوف کی بھی نشاندہی کر دیجئے۔"

ابوحازم : "سب سے بڑا بے وقوف وہ آدمی ہے جو اپنے دوست کی خواہش پر چلا کہ اس نے دوسرے کی دنیا کے عوض اپنی آخرت بیچ دی۔"

خلیفہ : "ابوحازم! ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ رہیں تاکہ ہم آپ سے استفادہ کرتے رہیں اور ہم آپکو اپنے فیوض و فتوحات سے نوازتے رہیں۔"

ابوحازم : "یہ نہیں ہو سکتا۔"

خلیفہ : "آخر کیوں؟"

ابوحازم : "مجھے ڈر ہے کہ میں آپ کی جانب ذرا بھی جھکوں گا تو میری آخرت کا بہت بڑا حصہ ہاتھ سے جاتا رہے گا۔"

خلیفہ : "آپ کو کوئی ضرورت ہو تو بیان کیجئے۔ اسے پورا کیا جائے گا۔"

یہ سن کر ابوحازم کے لبوں کی جنبش ختم ہو گئی، وہ کچھ نہ بول سکے۔ خلیفہ نے اپنی بات دہرائی اور زور دیکر کہا کہ چھوٹی بڑی کسی نوع کی ضرورت ہو تو آپ بلا جھجک ہم سے بتائیں۔ ہم اسے ضرور پورا کریں گے۔

ابوحازم : "میری بس ایک ضرورت ہے۔ اس ضرورت کے احساس سے میں اکثر بوجھل رہتا ہوں۔ کاش کوئی اس ضرورت کی تکمیل کا کوئی سامان کرتا۔"

خلیفہ : "ہم آپ کی ہر ضرورت کو ضرور پورا کریں گے۔ بتایئے وہ کیا ہے؟"

ابوحازم : "میری ہر ضرورت کی ضرورت یہ ہے کہ مجھے جہنم سے بچا کے جنت میں پہنچا دیا جائے۔ اے کاش کوئی اس ضرورت میں میرا ساتھ دے سکتا۔"

خلیفہ : "یہ کام تو میرے بس کا نہیں ہے۔"

ابوحازم : "تو سنئے کہ اس کے سوا میری کوئی اور ضرورت بھی نہیں۔"

خلیفہ : "حضرت! آخر میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ میرے حق میں دعا فرمائیں۔"

ابوحازم نے ہاتھ اٹھایا اور کہا: "اے اللہ! تیرا بندہ سلیمان اگر نیکوکار ہے تو اسے دنیا اور آخرت کی بھلائی سے نواز اور اگر یہ تیرے دشمنوں کے گروہ کا آدمی ہے تو اسکو ہدایت دے کہ تیری رضا اور رحمت کے راستے پر چل پڑے۔"

حاضرین میں سے ایک صاحب خلیفہ کی ہی حضوری میں بولے، "آپ نے خلیفہ کو اللہ کا دشمن بتا کر بہت بڑی گستاخی کی ہے۔ آپ تسلیم کیجئے کہ یہ بات غلط ہے۔"

ابوحازم : "غلط میری بات نہیں تمہاری بات ہے۔ اللہ نے علماء سے وعدہ لیا ہے کہ وہ ہمیشہ حق بات کہیں۔ لتبیننہ للناس ولا تکتمونہ" (آل عمران: ۱۸۷) تم حق بات چھپاؤ مت بلکہ کھول کھول کر لوگوں کو بتاؤ۔"

پھر خلیفہ کی جانب ایک رخ کر کے کہا: "امیر المومنین! قوموں کی تاریخ شاہد ہے کہ جتنے امراء و قائدین علماء کے پاس علم و مشورہ کیلئے حاضر ہوتے رہتے عوام خیر و عافیت کے گہوارے میں رہے پھر وہ زمانہ آیا کہ کیسے لوگوں نے علم حاصل کر لیا اور اسے لے کر امراء اور اغنیاء کے آستانوں پر حاضری دینے لگے تاکہ اسکے عوض کچھ دنیاوی مال و منال حاصل کر سکیں۔ اس طرح علماء نے اپنی قدر گھٹانے کے ساتھ ساتھ علم کی قدر بھی گھٹا دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امراء علماء سے بے نیاز ہو گئے اور بدبختی انکا مقدر بن گئی۔

اگر علماء اغنیاء کی دولت پر اپنی نگاہیں نہ بچھاتے تو وہ ان کے علم کے لیے بے قرار

مشتاق ہوتے لیکن بد قسمتی کہ علماء خود دولت کے اسیر بے دام ہو گئے۔"

خلیفہ: "حضرت بڑی سچی بات ارشاد فرمائی آپ نے۔"

خلیفہ کا اشتیاق اور زیادہ ہوا۔ کہا۔ "حضرت آپ کی زبان سے حکمت کے فوارے پھوٹتے ہیں۔ ہمیں مزید کچھ نصیحت فرمایئے۔"

ارشاد ہوا۔ "طلب صادق ہو تو جو کچھ میں نے عرض کیا وہی کافی ہے اور اگر طلب سچی نہ ہو تو پھر بے تانت کی کمان سے تیر پھینکنے کا کیا فائدہ؟"

خلیفہ نے اصرار کیا۔ کہا۔ "قسم ہے آپ کو کچھ وصیت کر دیجئے۔"

فرمایا۔ "اچھا یہ مختصر سی وصیت یاد رکھو۔"

اللہ کی عظمت کا احساس آپ کو کسی ایسی جگہ نہ جانے دے جہاں سے اس نے روکا ہے اور یہ احساس وہاں سے آپ کے قدم ہٹنے نہ دے جہاں کا اس نے حکم دیا ہے۔

یہ کہہ کر سلام کیا اور رخصت ہو لئے۔

گھر پہنچے تو دیکھا وہاں خلیفہ کا قاصد پہلے سے ہی موجود ہے۔ اس نے دینار سے بھری ہوئی ایک تھیلی پیش کی اور خلیفہ کا ایک رقعہ پیش کیا۔ خلیفہ نے لکھا تھا کہ آپ اسے اپنی ضروریات پر وسعت سے خرچ کریں۔ ہم ایسی ایسی ہزاروں تھیلیاں آپ کے قدموں پر نثار کرتے رہیں گے۔

ابو حازم نے وہ تھیلی واپس لوٹا دی اور خلیفہ کو لکھا:

امیر المومنین! اگر یہ تھیلی میں لے لیتا ہوں تو آپ کا سوال مذاق ہو گا اور میرا جواب مہمل۔ اسلئے اس دولت سے اللہ کی پناہ میں ہی رہنے دیجئے۔ جس چیز کو میں آپ کے لئے وبال سمجھتا ہوں اسی چیز کو اپنے لئے کیونکر پسند کر سکتا ہوں۔ دینار اگر اس بیہودہ موعظت کا معاوضہ ہے جو میں نے آپ کے گوش گزار کی تھی تو پھر سمجھئے کہ بدرجہ مجبوری خنزیر اور مردار کا کھانا اس سے زیادہ حلال و اولیٰ ہوگا۔

اور آخرت اعمال سے اتنا بیراتی نظر آتا ہے تو سمجھا جائے کہ گویا تمام مسلمانوں کا حق ادا نہیں کیا گیا ہے۔

رشد و ہدایت اور علم و حکمت کے طلب گاروں سے سلمہ بن دینار کا گھر آباد رہتا۔ وہ تعلیم و تذکیر میں اپنوں اور غیروں میں کوئی امتیاز نہ برتتے۔ ایک بار کا واقعہ ہے عبد الرحمن بن جریر اپنے لڑکے کو لے کر ان کی خدمت میں پہنچے۔ سلام و دعا کے تبادلے کے بعد دونوں میں گفتگو کا سلسلہ چلا۔

عبد الرحمن نے پوچھا کہ حضرت دل کی بیداری کیسے حاصل کی جائے۔

فرمایا کہ نیت کی درستگی۔ کبائر کی مغفرت کا ذریعہ ہے۔ جب بندہ گناہ کو چھوڑ دینے کا پکا ارادہ کر لیتا ہے تو دل کی بیداری نصیب ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک اور بات دھیان میں رکھنے کی ہے۔ وہ یہ کہ تھوڑی سی دنیا بھی ہماری آخرت کے بہت بڑے حصے کو ختم کر جاتی ہے۔ یاد رکھئے کہ جو نعمت انسان کو اس کے رب سے قریب نہ کرے وہ عذاب ہے۔ ان کے لڑکے نے سوال کیا۔ "حضرت اشیوخ تو بہت ہیں لیکن آپ ہمیں کس کے دامن سے وابستگی کا مشورہ دیتے ہیں۔"

فرمایا۔ "جس شیخ کا باطن اللہ کے خوف سے مملو ہو اور اسکی زندگی کا دامن عیوب کے داغ دھبوں سے پاک صاف ہو اسکا دامن تھام لو اور سنو بیٹے! اپنی اصلاح کیلئے بڑھاپے کا انتظار مت کرنا۔ دیکھو ہر روز جب سورج صفحۂ آفاق پر اپنی کرنیں بکھیرتا ہے تو طالب علم کے ساتھ دو فریق آتے ہیں ایک اسکا علم دوسرے اسکی خواہش۔ یہ دونوں فریق باہم زور آزمائی کرتے ہیں۔ اگر علم غالب آگیا تو طالب علم کامیاب و کامران ہوا اور اگر خواہش علم پر غالب آگئی تو سمجھو اس کی ناؤ کنارے ہی پر ڈوب چلی۔

عبد الرحمن نے سوال کیا کہ آپ نے ہمیں شکر کی اتنی ترغیب دلائی تو شکر کی حقیقت بھی بتا دیجئے۔

فرمایا کہ بدن کے ایک ایک عضو کا شکر واجب ہے۔

عبدالرحمن نے پوچھا، "آنکھ کا شکر کیسے ادا کیا جائے۔"

فرمایا، "جب کوئی بھلائی دیکھو تو اس کا اعلان و اظہار کرو، کوئی برائی دیکھو تو اس پر پردہ ڈال دو۔ یہی آنکھ کا شکر ہے۔"

پوچھا، "کان کا شکر کس طرح ادا ہوگا۔"

فرمایا، "کان کا شکر اس طرح ادا ہوگا کہ بھلی بات سنی جائے تو اسے یاد رکھا جائے اور بری بات ایک کان سے سنی جائے تو دوسرے کان سے اڑا دی جائے۔"

پوچھا، "ہاتھ کا شکر کیا ہے۔"

فرمایا، "بغیر حق کے کسی چیز پر ہاتھ صاف نہ کیا جائے اور دوسرے کا حق اپنے سے ہاتھ کو روکا جائے۔ عبدالرحمن یہ بات بھی یاد رکھو کہ شکر صرف زبان کی حد تک محدود ہو اور دل اور دوسرے اعضاء اس میں اس کے شریک نہ ہوں تو اس کی مثال اس لباس جیسی ہے جس کا خریدنے والا صرف اس کا ایک کونہ پکڑ لے اور اسکو بدن پر نہ ڈالے، تو کیا یہ لباس اس کو سردی یا گرمی سے بچا سکتا ہے؟"

شوقِ جہاد سے مجبور ہو کر سلمہ بن دینار اسلامی فوج میں شامل ہو گئے۔

روم پر اسلام کی لشکر کشی میں وہ بھی شریک تھے، جب فوجیں روم سے چلکر وادی پر تازہ دم ہونے کے لئے رکیں تو لشکر کے ایک اموی خاندان کے امیر نے انہیں طلب کیا۔ انہوں نے جواب میں قاصد کو ایک رقعہ دیا اس میں لکھا:

"اے محترم امیر! آج تک میری آنکھوں نے علماء کا جو طریق دیکھا ہے وہ یہی ہے کہ دین کو اور وہ اہل دنیا کے آستانے پر نہیں لے گئے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ یہ بات ہرگز پسند نہیں کریں گے کہ علماء نے جس کام کو کبھی نہیں کیا اس کی ابتدا مجھ سے ہو۔ اس لئے عرض گزار ہوں کہ کوئی ضرورت درپیش ہو تو قدم رنجہ فرمایا

جائے، سلام عرض کرتا ہوں آپ کو آپ کے تمام مصاحبین کو۔

امیر نے خط پڑھا تو بہت خوش ہوا، اٹھ کے سیدھے ان کی خدمت میں حاضر ہوا، انہیں سربلندی کی دعائیں دیں اور کہا:

"ہم نے آپ کا خط پڑھ لیا، اس خط نے آپ کے مرتبہ و مقام کو ہماری نظروں میں بہت بلند کر دیا، اللہ آپ کا بھلا کرے۔ ہمیں کچھ تذکیر فرمائیں۔"

ابوحازم تذکیر کرتے ہوئے بولے:

"آخرت میں آپ کو جو چیز مطلوب ہے اسے پانے کی دنیا ہی میں کوشش کیجئے اور آخرت کی جس ناگواری سے آپ بچنا چاہتے ہیں اس سے بچاؤ کی تدبیر دنیا ہی میں کر لیجئے اور یہ بات ہمیشہ پیش نظر رکھئے کہ کوئی غلط ریت اگر آپکے یہاں چل پڑی تو غلط بین منافقین کی بھیڑ آپ کے گرد اکٹھی ہو جائے گی اور اگر آپ کی مجلس میں حق کا بول بالا ہوا تو نیکوکاروں کی معیت و تعاون آپ کو حاصل ہوگا۔ اب آپ کو جو پسند ہو اختیار کیجئے۔"

موت کا وقت قریب آیا تو ایک دوست نے ان سے پوچھا، "آپ کس حال میں ہیں؟"

فرمایا کہ دنیا میں ہم نے جو برائیاں دیکھیں ان سے نجات مل جائے تو دنیا چھوٹنے کا کوئی غم نہیں، پھر یہ آیت پڑھتے ہوئے آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند کر لیں:

ان الذین آمنو و عملوا الصالحات سیجعل لھم الرحمن ودا (مریم: ۹۶)

یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور نیکی کی راہ پر گامزن رہے اللہ انکو اپنی محبت سے نوازے گا۔ وہ بھی اللہ سے محبت کا دم بھریں گے اور اللہ بھی انکو محبت کی نگاہ سے دیکھے گا۔

مولانا ابو بکر اصلاحیؒ

(دوسری قسط) عبدالمعز اثری فلاحی

جامعۃ الفلاح آپ جامعۃ الفلاح کے تاسیسی ممبران میں سے ہیں، اسکے خاکہ کی تشکیل، دستور کی تدوین، اساتذہ کی فراہمی، تعارف کی مہم اور تعمیر و ترقی وغیرہ میں آپکا اہم رول رہا ہے۔ یہی نہیں کہ "جامعۃ الفلاح" جیسا خوبصورت نام آپ ہی کا تجویز کردہ ہے۔

یوں تو بلریا گنج میں پرائمری مکتب بہت پہلے سے چل رہا تھا لیکن ساٹھ کی دہائی میں جب کہ مولانا ناظم ضلع اور پھر ناظم علاقہ جماعت اسلامی تھے، یہاں جماعت کے کام کو استحکام حاصل ہوا تو یہاں کے وابستگان جماعت نے اسے ترقی دے کر اعلیٰ تعلیمی ادارہ بنانے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ جولائی ۱۹۵۵ء میں درجہ ششم کھولا گیا جو پہلے عربی اول کی حیثیت رکھتا تھا کیونکہ اس وقت ثانوی درجات کا تصور نہیں تھا۔ جناب ڈاکٹر خلیل احمد صاحب، مولانا عیسیٰ صاحب اور حکیم ایوب صاحب وغیرہ اس میں پیش پیش تھے۔ چنانچہ سال بسال ایک ایک درجہ بڑھائے گئے۔ ناظم ضلع جماعت اسلامی ہونے کی وجہ سے مولانا اس مرحلے ہی سے مختلف مشوروں میں شریک تھے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کیلئے آپ ہی نے شرف پور میں مخلص اشخاص میں مولانا شبیر احمد صاحب اصلاحی مفتاحی کو بحیثیت مدرس لانے کی رہنمائی فرمائی تھی اور ڈاکٹر خلیل احمد صاحب نے انٹرویو لے کر تقرر کیا تھا۔ چنانچہ اس زمانے میں اس کا نام جامعہ اسلامیہ رکھا گیا تھا اور ۱۹۶۲ تک یہی نام رہا۔ اسی دوران مختلف اسباب کی بنا پر مدرسۃ الاصلاح سے وہاں موجود تقریباً تمام ہی جماعت اسلامی سے وابستہ اساتذہ کرام علیحدہ کر دئے گئے۔ تو یہ احساس شدت سے ابھرا کہ اعلیٰ تعلیم کی کوئی درسگاہ قائم ہونی چاہئے۔ جہاں تحریک کے مقصد کے حصول کیلئے افراد سازی کی جائے۔ چنانچہ باہمی مشورے سے ابتداء جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ قائم کیا گیا۔ لیکن جب اس سے مقصد پورا ہوتا نظر نہیں آیا اور پھر تیج

کے وابستگان جماعت کی یہ شکل سامنے آئی تو پھر یہاں کے مدرسہ پر ساری توجہ مرکوز ہو گئی اور جو لوگ ادھر ادھر بکھر گئے تھے وہ سب یہاں جمع ہونے لگے۔ پھر آپ نے اور مولانا حبیب اللہ صاحب مرحوم نے پورے ملک میں مخصوص حضرات کو تعارفی خطوط لکھے، دوروں میں اس کا چرچا اور بھرپور تعارف کرایا، مقامی حضرات نے پورا پورا تعاون دیا، عام طور پر لوگوں نے اسکی اعانت کی۔ تحریک اسلامی کی پوری پشت پناہی رہی تا آنکہ سبھی کے اخلاص کی برکت سے جامعہ اس مقام کو پہنچا جہاں پر آج ہم دیکھ رہے ہیں۔

نومبر ۱۹۶۲ء کی بات ہے مجوزہ ادارے کا نام زیر غور تھا، جامعہ اسلامیہ پر لوگوں کو اطمینان نہیں تھا، کوئی نیا نام چاہتے تھے۔ خواہش تھی کہ ایسا نام ہو جو مقصد سے ہم آہنگ بھی ہو، مختصر بھی ہو اور جس کی طرف آسانی سے نسبت بھی کی جاسکے۔ چنانچہ جامعۃ الفلاح جیسا سنہرا نام آپ ہی نے تجویز کیا تھا۔ جیسا کہ ڈاکٹر خلیل احمد صاحب موجودہ ناظم جامعہ کے حوالے سے آپ خود رقم طراز ہیں۔

"ڈاکٹر صاحب تھے اور ہم دونوں (یعنی میں اور مولانا حبیب اللہ صاحب) سڑک والی قدیم مسجد میں نماز عصر پڑھ کر مسجد سے نکل کر صحن سے گزرتے ہوئے میں نے آیت "قد افلح المؤمنون" پڑھی اور کہا کہ اس ادارے کا نام جامعۃ الفلاح رکھ دیا جائے۔ مولانا حبیب اللہ صاحب مرحوم نے تائید و تصویب کی اور یہی نام طے پا گیا۔"
(حیات نو اگست تا ستمبر ۱۹۸۹ء ج ۳ ش ۸، ۹ ص ۱۳ "میرے حبیب" از ابو بکر اصلاحی)

بعد میں مدرسہ کی انتظامیہ کے اندر آپ ہی نے اسے تجویز کی شکل میں پیش کیا۔ مولانا حبیب اللہ صاحب نے تائید و حمایت کی اور باضابطہ یہی نام پڑ گیا۔

کہا جاتا ہے کہ جب نام کا مسئلہ زیر غور تھا تو ڈاکٹر خلیل احمد صاحب ہی کے کہنے پر مولانا مفتی عبد الرؤف صاحب قاسمی مبارکپوری نے دو نام برائے غور پیش کئے تھے۔ ایک "جامعۃ الفلاح" اور دوسرا "فلاح دارین" لیکن لوگوں کو شرح صدر نہیں ہو رہا تھا چنانچہ مولانا اور مولانا حبیب اللہ صاحب نے اسے پسند فرمایا اور آیت قرآنی کے ذریعہ مدلل کر کے لوگوں کو قائل کیا پھر یہی نام طے پا گیا۔

جامعہ کے دستور کی تدوین میں بھی آپ برابر کے شریک تھے۔ قانونی زبان آپ کو بخوبی لکھنی آتی تھی۔ دستوری اصطلاحی نزاکتوں پر آپ کی بڑی گہری نظر تھی۔ چنانچہ جس طرح جامعہ کے پہلے دستور کی تدوین میں آپ کا حصہ ہے اسی طرح جب جامعہ کے دستور پر نظر ثانی ہونے لگی اور ۳؍ مئی ۱۹۹۰ء کو اس کے لئے کمیٹی تشکیل دی گئی تو آپ بھی اس کمیٹی کے ممبر بنائے گئے۔

۱۹۶۳ء میں آپ کی خدمات ناظم جامعہ کی حیثیت سے حاصل کی گئیں اور ۱۹۶۷ء تک آپ ناظم رہے۔ اس دوران آپ نے جامعہ کو کافی ترقی دی۔ حسن البنا منزل جو سب سے قدیم اور اہم ہے وہ آپ ہی کے دور نظامت میں تعمیر ہوا تھا۔ ۱۹۶۷ء میں جامعۃ الصالحات چلے گئے اور ۱۹۷۶ء تک وہیں رہے لیکن جامعہ سے دوری آپ کو کھلتی رہی یہاں تک کہ دوبارہ آپ کی خدمات جامعہ نے حاصل کر لیں اور آپ یہاں تشریف لے آئے۔ پہلے تو کچھ دنوں استاذ کی حیثیت سے رہے پھر جنوری ۱۹۷۸ء میں صدر مدرس بنائے گئے۔ ۱۲؍ فروری ۱۹۸۳ء کو مستعفی ہو گئے۔ متعدد بار صدر مدرس بنائے گئے۔ ۲۰؍ دسمبر ۱۹۸۶ء میں بھی صدر مدرس بنائے گئے اور ۲؍ مئی ۱۹۸۹ء کو استعفیٰ دے دیا۔ ۲۰؍ نومبر ۱۹۸۹ء کو سہ بارہ صدر مدرس بنائے گئے لیکن بعد رمضان ۱۹۹۱ء میں آپ نے استعفیٰ دے دیا۔ ایک بار تو ایسا بھی ہوا کہ جامعہ نے آپ کی صدارت کا فیصلہ کر لیا اور خرابی صحت کی وجہ سے آپ نے عذر کیا تو چارج سے پہلے ہی استعفاء منظور ہو گیا اور چارج لینے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ بعد کے ادوار میں مزید ایک بار نظامت کے لئے آپ کا نام تجویز کیا گیا لیکن آپ نے خرابی صحت کی وجہ سے مخالفت کی تو نام واپس لے لیا گیا۔ ۲۴؍ جنوری ۱۹۹۳ء کو نائب ناظم بنائے گئے اور ۹؍ اپریل ۱۹۹۵ء کو مستعفی ہو کر گھر چلے گئے کیونکہ پیرانہ سالی کو دیکھتے ہوئے بچوں کا اصرار تھا کہ اب آپ گھر پر آرام کریں۔ لیکن جانے کے بعد بھی تعلق باقی رہا اور برابر تشریف لاتے رہے۔ تاحیات آپ انتظامیہ کے ممبر رہے۔ جامعہ سے آپ کی محبت ایسی تھی کہ جب بھی کوئی نازک وقت آتا تو آپ اپنے آپ کو پیش کر دیتے۔

عہدے کی کبھی خواہش نہیں رہی۔ جب دیکھتے کہ وہی تجربہ کیا ہے تو خاموشی سے علیحدہ ہو جاتے اور ہر حال میں ہر ایک کا تعاون کرتے رہتے۔

ابتداءً چونکہ آپ مدرسۃ الاصلاح میں استاذ تھے، صدر مدرس بھی رہے اس لئے بہت سے اصلاحی آپ کے شاگرد ہیں، جن میں سے چند اہم نام حسب ذیل ہیں۔ ۱۔ مولانا امانت اللہ صاحب اصلاحی، ۲۔ مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی، ۳۔ مولانا شبیر احمد صاحب اصلاحی، ۴۔ مولانا عبد الحسیب صاحب اصلاحی، ۵۔ مولانا ایوب صاحب اصلاحی، ۶۔ مولانا عبد العلیم صاحب اصلاحی وغیرہ۔

رہ جامعۃ الفلاح تو یہاں کے اب تک جتنے فیض یافتگان ہیں تقریباً تمام ہی آپ کے شاگرد ہیں خواہ وہ طلبہ ہوں یا طالبات۔ چونکہ نام شمار کرنا باعث طوالت ہے اس لئے قلم زد کر رہا ہوں۔

تحریر و تصنیف یوں تو آپ کی کوئی مستقل مطبوعہ تصنیف نہیں ہے لیکن مطبوعہ مضامین اچھے خاصے ہیں۔ اخیر عمر میں "فکر آخرت" کے نام سے آپ نے ایک کتاب تیار کی تھی جس مختلف اسباب سے اب تک شائع نہیں ہو سکی ہے۔ دیکھئے کب تک وہ لوگوں کے ہاتھوں تک پہنچتی ہے۔ کاش ورثہ کو یہ توفیق مل جاتی۔ ضرورت تو اس بات کی ہے کہ آپ کے جتنے مطبوعہ مضامین ہیں انہیں از سر نو مرتب کر کے افادہ عام کے لئے شائع کر دیا جائے۔ وہ کس قدر اہم اور متنوع عناوین پر ہیں اس کا کچھ اندازہ درج ذیل فہرست سے لگایا جا سکتا ہے۔

۱۔ احتساب (ایک تقریر جو شاہ گنج ضلع جونپور میں رفقاء کے سامنے کی گئی)
الانصاف ۷؍ مارچ ۱۹۵۱ء — فاران اپریل ۱۹۵۱ء

۲۔ انسان کا سب سے بڑا دشمن (جو آسمانوں پر ہاری ہوئی جنگ کو زمین پر جیتنا چاہتا ہے)
الانصاف ۱۵؍ اپریل ۱۹۵۱ء

۳۔ اجر حسنات کی وسعت و ہمہ گیری — الانصاف ۷؍ مئی ۱۹۵۱ء

۴۔ اسلامی معاشرے کی چند اقدار — زندگی دسمبر ۱۹۶۳ء

۵۔ اتباعِ رسول — زندگی مارچ ۱۹۶۵ء

۶۔ آئندہ انتخابات میں مسلمانوں کی شرکت دنیا اور آخرت کی ناکامی ہے۔

الانصاف ۲۸ جون ۵۱ء

۷۔ اشتراکیت کے پروپیگنڈے — الانصاف ۵ جنوری ۵۲ء

۸۔ اشتراکیت اور مذہب — تجلی اکتوبر ۵۲ء

۹۔ اسلام کا نظریہ آزادی۔ — الانصاف عید نمبر ۵۱ء

۱۰۔ اسلامی اخلاق کی بنیادیں۔ — الحسنات اخلاق نمبر ۵۹ء

۱۱۔ احتساب۔ — زندگی اگست ۵۹ء

۱۲۔ اسلامی معاشرے کا امتیاز — الحسنات معاشرت نمبر ۶۰ء

۱۳۔ اسلام کا روشن مستقبل (پہلی قسط) — دعوت ۱۹ جون ۶۰ء

۱۴۔ اسلام کا روشن مستقبل (دوسری قسط) — دعوت ۲۲ جون ۶۰ء

۱۵۔ انقلاب عالم اور اہل علم۔ — الفلاح میگزین ۱۹۸۲ء

۱۶۔ ایک تاویل — الفلاح میگزین ۱۹۸۵ء

۱۷۔ انسان ناشکرا ہے (مطالعہ قرآن) — زندگی دسمبر ۸۲ء

۱۸۔ الامر بالمعروف۔ (درس حدیث) حیات نو دسمبر ۹۲ء جنوری فروری ۱۹۹۳ء

۱۹۔ نوجوان اور تحریک اسلامی۔ — دعوت عید الفطر نمبر ۵۹ء

۲۰۔ بندگی تا بندگی پائندگی — زندگی مارچ ۶۷ء

۲۱۔ توبہ و استغفار — زندگی جولائی ۵۹ء اور ایشیا اگست ۵۹ء

۲۲۔ ترجمہ منتخب احادیث (مسلسل) — دعوت ۲۸ مارچ ۵۹ء سے ابتداء

۲۳۔ پیارے رسول ﷺ کا پیغام امت مسلمہ کے نام — الحسنات

۲۴۔ جشن عید کس لئے — الانصاف ۵ جولائی ۵۱ء

۲۵۔ جمہوری طریقۂ انتخاب کی سب سے بڑی خامی (امیدواری سسٹم)

الانصاف ۹ جولائی ۵۱ء

۲۶۔ جشن عید — حیات نو ۱۹۸۵ء

۲۷۔ حصول مقصد کی راہ میں استقلال بہترین ہتھیار ہے — الانصاف یکم جولائی ۵۱ء

۲۸۔ حکومت الٰہیہ اور مولانا آزاد — الانصاف

۲۹۔ حقیقی عید — الانصاف عید نمبر ۵۱ء

۳۰۔ حق کا غلبہ — زندگی اپریل و مئی ۶۰ء

۳۱۔ حسن نیت — حیات نو اپریل ۱۹۸۵ء

۳۲۔ دین میں احادیث کی اہمیت — الحسنات حدیث نمبر ۱۹۵۲ء

۳۳۔ دعوت اسلامی کے لئے انبیائی طریقہ کار — الحسنات دعوت نمبر ۵۷ء

۳۴۔ دعوت اسلامی اور کامیابی — الحسنات دعوت نمبر ۵۷ء

۳۵۔ دعوت اسلامی اور نبی کی زندگی — الحسنات سیرت نمبر ۵۲ء

۳۶۔ رمضان کی برکات — حیات نو مئی ۱۹۸۵ء

۳۷۔ زندگی دھوکے کی ایک ٹٹی (درس قرآن) — حیات نو اپریل ۱۹۸۳ء

۳۸۔ سید حامد حسینؒ — حیات نو دسمبر ۸۵ء و جنوری ۸۶ء

۳۹۔ سفالی اور اصلی سفالی — الحسنات جون ۵۱ء

۴۰۔ فریضۂ مومن (درس حدیث) — حیات نو فروری ۱۹۸۵ء

۴۱۔ فکر آخرت — زندگی دسمبر ۵۷ء

۴۲۔ قرآنی دعوت کا مقام اپنے نزولی دور میں — الحسنات قرآن نمبر ۵۳ء

۴۳۔ قول و عمل کا تضاد — زندگی جنوری فروری ۶۰ء

۴۴۔ کیا سید احمد شہید نیکو انجام کے داعی تھے — زندگی ۱۹۵۱ء ایشیا، دعوت جدید

۴۵۔ مسلم حنیف

الانصاف ۹ و ۱۳ ستمبر ۵۱ء اور سیاست جدید عید الاضحیٰ نمبر ۱۹۵۱ء

۴۶۔ مسجد گیان واپی قیصر کی نظر سے

سیاست ۱۹ اپریل ۵۹ء، الجمعیۃ ۲۰ اپریل ۵۹ء

۴۷۔ مسلم حنیف کا کردار	دعوت ۶ جون ۹۰ء
۴۸۔ مقصد فراموشی کا انجام	حیات نو ۲ مارچ ۱۹۸۵ء
۴۹۔ میں ایک راہی تھا جب منزل گم	حیات نو اپریل ۱۹۸۵ء
۵۰۔ مسرت بخش پیغام	حیات نو نومبر ۱۹۷۶ء
۵۱۔ مسرت خداوندی	زندگی دسمبر ۱۹۷۵ء
۵۲۔ دنیا اور قرآن کا استعمال (پہلی قسط)	دعوت ۲۵۔۲۸/ستمبر ۵۹ء
	مدینہ ۲۸/ستمبر ۵۹ء
۵۳۔ دنیا اور قرآن کا استعمال (دوسری قسط)	مدینہ ۲۸/اکتوبر ۵۹ء

اس فہرست میں مطبوعہ دروس قرآن بھی ہیں اور مطبوعہ دروس حدیث بھی ہیں۔ مختلف سوانحی خاکے اور تاثرات بھی ہیں تذکیری نوعیت کے مضامین بھی ہیں اور مختلف تحریکوں پر تنقید و استدراک بھی ہے۔

ادبی نقطہ نظر سے ان پر نظر ڈالیں تو محسوس ہوگا کہ زبان انتہائی سادہ اور سلاست و روانی لئے ہوئے، الفاظ کا ایسا انتخاب کہ اس مدعا کی ادائیگی کے لئے اس سے بہتر کوئی الفاظ ہی نہ ہو۔

آپ کو یادداشتیں تحریر کرنے کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ بہت سی کتابوں کے خلاصے تحریر کر رکھے تھے۔ دنیا بھر کے اندر پائی جانے والی اہم مساجد پر ضروری معلومات قلمبند کر رکھی تھیں۔ زندگی میں پیش آمدہ اہم واقعات کی روداد بھی مرقوم ہے۔ مثلاً ۷ دسمبر ۱۹۸۳ء میں آپ نے حج کیا تو مختصر اپورا سفر نامہ لکھ رکھا ہے۔ بعض اہم مخطوطات بھی آپ نے نقل کر رکھی تھیں۔ مثلاً قرآن مجید پر مولانا حمید الدین فراہی کا حاشیہ وغیرہ۔

خطابت آپ ایک اچھے خطیب بھی تھے۔ اس طرح بہترین انداز سے سمجھاتے اور دلائل دیتے کہ مخاطب قائل ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ شمس شاہد کا بیان ہے کہ جب آپ جامعہ رحمانیہ قادر آباد بستی سے مدرسۃ الاصلاح تشریف لا رہے تھے تو جمعہ کا دن تھا۔

دوسرے جامع مسجد بستی میں آپ نے خطبہ دیا۔ لوگ اس قدر متاثر ہوئے کہ بعد نماز آپ کو گھیر لیا اور کہا کہ آپ ہر جمعہ کو آکر خطبہ دیا کریں۔

اسی طرح مئو جو کمیونزم کا گڑھ سمجھا جاتا ہے اور آج بھی اس کے اثرات ہیں وہاں آپ نے دور انقلابات میں جماعت کا پروگرام ہوا۔ خطاب عام میں آپ نے کمیونزم کے خلاف ایسی مدلل تقریر کی کہ لوگ سوچنے پر مجبور ہو گئے۔ اور اسی کے بعد آپ اس علاقے میں ایک بہترین مقرر کی حیثیت سے معروف بھی ہوئے۔

آپ پوری تیاری کے ساتھ تقریر کرتے تھے بلکہ پہلے سے اس کا خاکہ بناتے تھے۔ آپ نے مئو میں جو تقریر کی تھی آج بھی اس کا خاکہ ذاتی ڈائری میں لکھا ہوا ہے۔

درس قرآن اور درس حدیث بھی آپ اچھا دیتے تھے۔ جب بھی کوئی اہم پروگرام ہوتا تو آپ کا درس رکھا جاتا۔ اس طرح سے درس دیتے تھے کہ لوگ خوف خدا میں ڈوب جاتے اور جنت کی تمنا کرنے لگتے۔

نمایاں اوصاف

حلم و بردباری آپ کے اندر حلم و بردباری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ نہ کسی سے الجھتے اور نہ حد سے زیادہ غصہ کرتے اور اگر کبھی کسی سے کوئی تکلیف پہنچ بھی جاتی تو اس کا احساس بھی نہ ہونے دیتے۔ کوئی بداخلاقی پر اتر آتا پھر بھی آپ نرمی اور خوش اخلاقی سے پیش آتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ایک آپ کو اپنے سے قریب سمجھتا تھا اور اپنے مسائل آپ کے سامنے رکھنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا تھا۔ سنگین سے سنگین مسئلہ بھی آپ کے روبرو پیش ہوتا تو پھر بھی بڑے اطمینان و سکون کی حالت میں رہنمائی دیتے۔

اس گفتگو کا یہ مطلب نہیں کہ آپ بالکل خشک آدمی تھے بلکہ مزاح بر مزاح آدمی تھے۔ مولانا محمد مصطفیٰ ندوی صاحب استاد مدرسۃ الاصلاح سے آپ بہت بے تکلف تھے۔ انہیں "متقن" کا مرض ہو گیا تھا اور آپ تو "عرق النسا" میں مبتلا تھے ہی۔ ایک مرتبہ ازراہ تفنن آپ نے مولانا مصطفیٰ صاحب سے کہا، "آپ سے شکایت"

بیماری پال لی ہے"۔ تو انھوں نے برجستہ جواب دیا "جب سے آپ نے "زنانہ" بیماری پال لی ہے۔" چنانچہ پوری مجلس لالہ زار ہو گئی۔

نفاست: ہر معاملہ میں آپ نے اعلیٰ ذوق پایا تھا۔ لباس بھی اچھے سے اچھا استعمال کرتے۔ گرمی میں عموماً سفید لٹھا جاڑے میں یک رنگ شیروانی اور ٹوپی کالی ہوتی۔ لباس پر ذرا بھی شکن نہ پڑنے دیتے۔ رکھ رکھاؤ میں اپنی مثال آپ تھے۔ ہر سامان انتہائی سلیقے سے رکھا رہتا، ہر چیز کی جگہ متعین ہوتی۔ اندھیرے میں آنکھ بند کرتے بھی آپ اپنا سامان بآسانی پا جاتے تھے۔ ہر معاملہ میں چھوٹی چھوٹی چیزوں کا بھی خیال رکھتے اور اہتمام فرماتے۔ اگر کوئی نیا طالب علم آپ کی خدمت میں پہنچتا تو اسے چھوٹی چھوٹی چیزوں کی رعایت کی تلقین کرتے اور رہنمائی فرماتے۔ اگر کسی میں بد سلیقگی دیکھتے تو کافی ناراض ہوتے۔

طہارت: صفائی ستھرائی کا بہت خیال رکھتے تھے حتی کہ آپ کے ایک شاگرد نے بتایا کہ اسے کہا کرتے تھے کہ بازار جانا ہو تو روڈ کے بجائے گلی کے راستے سے جاؤ، چونکہ روڈ پر گرد و غبار زیادہ اڑتا ہے اور کپڑے گندے ہو جاتے ہیں، جبکہ گلی کے راستے میں ایسی بات نہیں ہوتی۔ کپڑوں پر اگر ذرا بھی داغ لگ جاتا تو ہر ممکن تدبیر سے اسے چھڑانے کی کوشش کرتے۔ اپنے کسی بھی سامان کو زیادہ دیر تک گندا چھوڑنا پسند نہیں کرتے تھے۔

کفایت شعاری: جتنی آمدنی ہوتی اسی میں اپنا خرچ چلانے کی کوشش کرتے۔ چنانچہ جامعی زندگی میں بھی کفاف پر گزارہ کیا اور مدرسہ کی زندگی میں بھی کفاف سے زیادہ شاید ہی کبھی ملا ہو لیکن اس کے باوجود وہ بتایا کرتے تھے کہ انھیں شاذ و نادر ہی قرض لینے کی ضرورت پڑی ہوگی ورنہ اسی میں اپنا کام چلاتے اور ایسی مطمئن زندگی گزارتے تھے کہ اچھے اچھے مالداروں کو بھی شاید وہ اطمینان و سکون نصیب نہ ہوتا ہوگا۔

تنگی کے بعد خوش حالی کا دور بھی آپ نے پایا جب آپکے بچوں نے تجارت کے میدان میں کافی ترقی کی لیکن اسکے باوجود اپنی اس روش میں کوئی خاص فرق نہیں آنے دیا۔

کفالت: جو غریب طلبہ اور رشتہ دار تھے ان کی آپ کفالت بھی فرماتے تھے۔ بعضوں کا تو بیان ہے کہ آج تک یہ معاملہ جاری تھا۔ کمال یہ کہ کسی کو جلدی پتہ بھی نہیں چلنے

دیتے تھے۔ لینے والے بھی زحمت نہ محسوس کرتے۔ خاموشی سے اس کی تکمیل کی فکر میں لگ جاتے۔ اساتذہ و طلبہ کسی کو بھی قرض کی ضرورت ہوتی تو آپ کے پاس پہنچ جاتے۔

رواداری: دوست و دشمن ہر ایک سے رابطہ رکھتے اور ہر ایک کا خیال کرتے جب کہ انتہا پسندی سے کوسوں دور تھے۔ اگر چہ ذاتی زندگی میں حنفی مسلک پر زیادہ عمل پیرا تھے۔ مختلف فیہ مسائل میں عموماً اعتدال و توازن کی راہ اپناتے اور ہر ایک کے لئے پوری گنجائش کو تسلیم کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ فلاح کے ماحول میں کسی کو کسی قسم کی گھٹن یا دشواری شاید ہی محسوس ہوتی ہو۔ رواداری کے ایسے نقوش چھوڑے کہ تقریباً تمام فیض یافتوں میں اس کی رمق دیکھی جا سکتی ہے۔

آپ کا یہی جوہر تھا کہ آپ ہر حلقہ میں احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور ہر طرح کے لوگوں سے آپ کے تعلقات تھے۔

حلیہ: قد لمبا، رنگ گندمی، وضع قطع عالمانہ، ڈیل ڈول درمیانہ۔ شکل و صورت سے نورانیت ٹپکتی محسوس ہوتی۔

اولادیں: تین بچے اور ایک بچی

۱۔ ڈاکٹر ابو الخیر صاحب جو جامعہ طبیہ کالج میں لیکچرر ہیں اور پریکٹس بھی کرتے ہیں۔

۲۔ جناب ابو اویس صاحب جو تجارت کرتے ہیں اور علاقے کے اچھے تاجر سمجھے جاتے ہیں۔

۳۔ جناب ابو الفیض صاحب یہ بھی تجارت کرتے ہیں۔

۴۔ بچی کا نام فاخرہ خانم ہے۔

الحمد للہ سبھی حیات ہیں، خوش و خرم ہیں اور کثیر العیال بھی ہیں۔

ذوق: فن تعمیر سے آپ کو خصوصی دلچسپی تھی۔ جہاں بھی تاریخی مقامات دیکھنے جاتے ایک ایک چیز باریکی سے دیکھتے اور ان کا ریکارڈ رکھتے، اکثر سنایا بھی کرتے۔ مختلف فن تعمیرات سے فنی محاسن کے فرق کا بھی بڑی اچھی طرح تجزیہ کرتے تھے۔

اپنے گھر جو تعمیراتی کام ہو رہا تھا اس کی بھی نگرانی کرتے اور ایک ایک چیز پر توجہ دیتے اور مستری وغیرہ کی رہنمائی فرماتے۔

غذا و دوا: روٹی تو بہر حال اچھا کھانا ہو صاف ستھرا ہو آپ کو پسند تھا لیکن مچھلی، گوشت، ترکاری وغیرہ آپ کو کافی پسند تھا لیکن جب احتیاط اور پرہیز کی ضرورت ہوتی تو شدت سے اس کا خیال رکھتے۔ اہل خانہ نے بتلایا کہ ڈاکٹر کی ہدایت پر ۱۹۸۲ء سے گرم پانی استعمال کرتے تھے اور برف کے پانی کے استعمال سے منع فرماتے تھے۔

آخری ایام: آپ کی بائیں آنکھ تو بہت پہلے ضائع ہو چکی تھی۔ ادھر کچھ سالوں سے دائیں آنکھ بھی پانی کے مرض کا شکار ہو گئی تھی۔ مختلف دواؤں اور تدابیر کے ذریعہ آپ کام چلا رہے تھے۔ لیکن ادھر چند دنوں سے آپ محسوس کر رہے تھے کہ روشنی دن بدن کم ہوتی جا رہی ہے۔ چنانچہ کافی فکر مند ہوئے اور بالآخر آپریشن کرنے کا فیصلہ لیا۔ مختلف ٹیسٹ وغیرہ کے بعد آپریشن کی تاریخ بھی طے ہو گئی۔ اتفاق سے ان ہی دنوں پیٹ پر فالج کا ہلکا سا حملہ بھی ہوا لیکن مریضانہ کیفیت کو کمتر ہونے کی وجہ سے اس کا احساس نہیں ہوا۔ دوسری طرف آپ کبھی انگریزی دوا استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ ہمیشہ ہومیو پیتھ دوا استعمال کرتے تھے۔ لیکن آپریشن کے سلسلے میں انگریزی دوا استعمال کرنی پڑی جو آپ کو راس نہ آئی اور اس کا شدید رد عمل سامنے آیا۔ چنانچہ آپ دن بدن کمزور ہوتے چلے گئے۔ اولاد بھی پیچھے کی ڈاکٹر تدبیریں کیں لیکن سب بے سود ہو گئے اور آپ سب کو سوگوار چھوڑ کر ۳ مئی ۱۹۹۶ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

تدفین: ۳ مئی ۱۹۹۶ء کو بعد نماز عصر دار العلوم سرائے میر کے احاطہ میں نماز جنازہ ہوئی۔ مولانا نظام الدین صاحب اصلاحی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ لوگوں کا کافی ہجوم تھا۔ سرائے میر کے قبرستان میں سپرد خاک کئے گئے۔ نور اللہ مرقدہ۔

نصرانیت (۳)

انیس احمد فلاحی مدنی

محاسبۂ مسیح: نصرانیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ہی قیامت کے روز انسانوں کا حساب لیں گے اور وہی ان کے برے اعمال کے مطابق جزاء و سزا کا فیصلہ کریں گے۔

انجیل یوحنا میں عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی یہ قول منقول ہے

"اور جس طرح باپ کی زندگی ذاتی ہے اسی طرح ان کی زندگی بھی ذاتی ہے اور ان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جزاء و سزا دیں۔" (۱) (اصحاح ۵)

پال نے اہل کورنتھس کو جو پیغام دیا ہے اس میں ہے:

"ہم سب کیلئے ناگزیر ہے کہ مسیح کی کرسی کے آگے پیش ہوں تاکہ ہر شخص کو نیکی یا شر کے دنیوی اعمال کا بدلہ ملے۔"

یوحنا کی انجیل جو سب سے آخر میں لکھی گئی ہے یعنی ۹۵ء یا ۹۸ء میں صرف اسی انجیل میں اس عقیدے کا ذکر ہے جبکہ دیگر اناجیل میں اس عقیدے کا کہیں نام و نشان نہیں ہے۔ پال یہودی وہ پہلا شخص ہے جس نے نصرانیت کو اس کے صحیح رخ سے پھیرا اور مسیح کی الوہیت اور قیامت کے روز ان کے حساب و کتاب لینے کے عقیدے کا اعلان کیا۔

جبکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی انسانوں کے حساب و کتاب کا مالک ہے اور ہر قوم کے نبی و رسول اس کے گواہ ہوں گے۔

جنت و دوزخ کا عیسائی عقیدہ: یہ بات پہلے مذکور ہو چکی ہے کہ یہودیوں کی کتاب میں آخرت پر ایمان لانے کی بات مذکور نہیں۔ اس کے برعکس نصرانیوں کے یہاں حساب و کتاب اور جزاء و سزا کا اعتراف کرتا ہے جو نیکوکار ہو گا اس کو جنت اور جو بدکار ہو گا اس کو دوزخ کا مزہ چکھنا ہو گا۔ جزاء و سزا ابدی و دائمی ہوں۔

انجیل متی میں اہل یہود کے بارے میں آیا ہے: "یہ لوگ ابدی عذاب میں رہیں گے اور اہل ایمان نیکوکار ابدی زندگی کی شادمانی میں۔"

غرض اکثر نصرانیوں کا عقیدہ ہے کہ جنت جسم و روح کی قسمت ہو

اور دوزخ جسم و روح کی ابدی اذیت گاہ و دار العذاب۔ بہت کم نصرانی جنت میں اکل، شرب و نکاح کے منکر ہیں۔

نصرانیت کے مصادر ۱۔ عہد قدیم ۲۔ عہد جدید

عہد قدیم سے مراد توریت اور اس سے ملحق کتابیں ہیں۔ نصرانی عہد قدیم کو مقدس تصور کرتے ہیں، لیکن اس کی تشریعی حیثیت کو واجب الاتباع نہیں مانتے۔

عہد جدید سے مراد اناجیل اربعہ (متی، مرقس، لوقا، یوحنا) اور اس سے ملحق رسائل ہیں۔ نصرانی اسے مقدس اور واجب الاتباع سمجھتے ہیں۔

انجیل: انجیل یونانی زبان کا لفظ ہے جو بشارت کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ عرف و اصطلاح میں انجیل اس کتاب کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی۔ انھوں نے بنی اسرائیل کو انجیل پر عمل کرنے کی دعوت دی۔ لیکن نصرانیوں کے پاس اس انجیل کا کوئی نام و نشان نہیں پایا جاتا بلکہ اس کے بجائے ان کے یہاں ان چار اناجیل کا رواج ہے جو ان لوگوں سے منسوب ہے جنکو نصرانی حواری مسیح کہتے ہیں۔ ان چاروں میں کسی کی نسبت کوئی نصرانی عیسیٰ علیہ السلام کی طرف نہیں کرتا۔

اناجیل اربعہ میں عیسیٰ علیہ السلام کی تاریخ پیدائش، حالات و واقعات کی تفصیلات کے ساتھ ان کے مواعظ و امثال، دعوتی خطبے اور یہودیوں سے ان کے مجادلہ کی روداد درج ہے۔ اسی طرح یہودیوں اور رومیوں کا ان کو گرفتار کرنا اور عدالتی کارروائی کرنا اور ان کے اپنے بیان کے مطابق ان کو سولی پر لٹکا کر موت کی نیند سلا دینا پھر ان کو آسمان پر اٹھایا جانا اور اس طرح کے دوسرے متعلقہ واقعات کی تفصیل درج ہے۔

اپنے مشمولات کے لحاظ سے یہ اناجیل کتب سیرت سے مشابہ ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ ان کے مندرجات میں بہت زیادہ اختلافات ہیں۔ مثلاً نصرانیوں کے درمیان اس بات میں شدید اختلافات ہیں کہ ان کے لکھنے والے کون ہیں اور وہ کب اور کس دور میں لکھی گئیں اور ان کے مترجمین کون کون ہیں؟ ان اختلافات کے باوجود بھی نصرانی دعویٰ کرتے ہیں کہ انجیل تمام تر وحی اور الہام پر مبنی ہے اور پوری دیانت و صداقت سے منتقل ہوتی چلی آرہی ہے۔

فقہ و فتاویٰ

ابوار قمر فلاحی

سوال : کیا ختنہ کے موقع پر اعزہ و اقارب کو دعوت دینا از روئے شریعت جائز ہے؟

جواب : ختنہ کے موقع پر دوست و احباب اور رشتہ داروں کی دعوت اگر بغیر کسی خاص اہتمام اور بغیر نام و نمود کے کر دی جائے تو جائز ہے الادب المفرد میں ہے

"عن عمر ابن حمزة، قال: اخبرنا سالم قال: ختنني ابن عمر أنا و نعيما فذبح كبشا فلقد رأيتنا وانا لنجذل به على الصبيان أن ذبح عنا كبشا (حدیث نمبر ۱۲۴۶)

امام سالم روایت کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمرؓ نے میرا اور نعیم کا ختنہ کیا اور اس مناسبت سے ایک مینڈھا ذبح کیا، چنانچہ ہم لوگ اسے بچوں کے سامنے فخریہ خوشی سے بیان کرتے کہ ہمارے ختنہ کے موقع پر ایک مینڈھا ذبح کیا گیا۔

ظاہر ہے پورے مینڈھے کا گوشت ایک گھر کی ضروریات سے زائد رہا ہوگا اور اس میں قرب و جوار کے لوگوں نے بھی شرکت کی ہوگی جس سے ختنہ کے موقع پر دعوت طعام کے جواز کا اشارہ ملتا ہے۔ ہماری اس رائے کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ امام بخاریؒ نے اس حدیث پر عنوان یوں قائم کیا ہے۔ (باب الدعوة في الختان) ختنہ کے موقع پر دعوت طعام کا باب، مشہور و معروف محدث فضل اللہ الجیلانی اپنی مشہور شرح "فضل اللہ الصمد" میں (ان ذبح عنا كبشا) کی تشریح کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں: "الوليمة في الاعذار أي الختان حق" (ص ۲۴۶)

ختنہ کے موقع پر دعوت ولیمہ کرنا درست ہے۔

سوال کیا میت کی تدفین کے بعد اس کی قبر پر کھڑے ہو کر دعا کرنا جائز ہے؟

جواب میت کی تدفین کے بعد اس کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر اس کے حق میں دعائے استغفار کرنا مستحب و پسندیدہ ہے۔ قال عثمان ابن عفان: كان النبي ﷺ اذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال استغفروا لاخيكم واسئلوا له بالتثبيت فانه الآن يسأل (سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۱۱۱)۔

عثمان بن عفان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب میت کی تدفین سے فارغ ہوتے تو اس کی قبر پر کھڑے ہوتے اور کہتے اپنے بھائی کیلئے مغفرت اور ثابت قدمی کی دعا کرو کہ اس وقت اس سے قبر میں سوال کیا جا رہا ہے۔

مشہور محقق عبدالقادر الارناؤط نے اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بھی یہی مسلک تھا، جامع الاصول میں ہے: كان يقول بعد ما يفرغ من دفن الميت: اللهم هذا عبدك نزل بك وانت خير منزول به فاغفر له ووسع مدخله (ج ۱۱ ص)

حضرت علی میت کی تدفین سے فراغت کے بعد یہ دعا کرتے کہ: اے خدا یہ تیرا بندہ تیری بارگاہ میں حاضر ہے اور تیری بارگاہ فرودگاہ کے اعتبار سے بڑی عمدہ ہے بندے سے معاف فرما دے اور جنت کا داخلہ اس کے لئے آسان کر دے۔

اطلبوا العلم من المهد الى اللحد

تعارف و تبصرہ

ابو عبدالرحمن محمد رفاقی

العربیۃ قاعدہ الالف والیاء برائے ناظرہ قرآن

از شیخ وحید اللہ خاں الانکی

قیمت اول، دوم بیس روپے، سوم، چہارم اور پنجم تیس روپے

کتابت و طباعت مناسب صفحات بالترتیب ۳۶، ۳۲، ۳۰، ۲۸، ۲۶

ناشر: مکتبہ مصر ۱۳/۵۹۱، شیخ کالونی، رسول آباد، گھاٹم پور

بھیونڈی (تھانہ) ۴۲۱۳۰۲ (مہاراشٹر)

ملت اسلامیہ کے نونہالوں کی ایک بڑی تعداد عصری درسگاہوں میں تعلیم حاصل کر رہی ہے جو دینی تعلیم سے بالکل نابلد ہوتی ہے۔ حتی کہ اونچی اونچی ڈگریاں حاصل کر لیتے ہیں لیکن ناظرہ قرآن تک انہیں نہیں آتا ہے۔ ایسے ہی بچوں کو سامنے رکھ کر مذکورہ قاعدہ فی کتاب برائے ناظرہ قرآن تیار کی گئی ہے تاکہ عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ ناظرہ قرآن کی تعلیم بھی بالکل آسان انداز میں انہیں دی جا سکے۔ مذکورہ کتاب کے پانچ حصے کئے گئے ہیں جسے نرسری سے لے کر تیسری جماعت کے طلبہ کے لئے اس انداز سے ترتیب دیئے گئے ہیں کہ تیسری جماعت کے بعد طالب علم روانی کے ساتھ ناظرہ قرآن پڑھ سکے۔

اس قاعدہ کو آپ عام مروج قاعدوں سے بالکل مختلف پائیں گے۔ "مؤلف نے حسب کتاب تمہید میں اس بات کا التزام کیا ہے کہ کوئی غیر عربی لفظ آنے نہ پائے مزید اس بات کا التزام کیا ہے کہ الفاظ وہی استعمال کئے جائیں جس سے قرآن کی خواندگی میں انہیں سہولت بہم پہنچے اور قرآن پڑھتے وقت عام و مالوف قرآنی الفاظ مصادر سے مانوس ہوں۔" (ص ۲)

تعلیم کے اسلوب میں انہوں نے تبدیلی کی ہے، چنانچہ انہوں نے ہدایت دی ہیں کہ "بچے سے قلعہ تریر کریں اور بچوں کو براہ راست حروف کی تبدیلی سے

روشناس کرائیں۔" (ص ۹)

ان خصوصیات کے ساتھ یہ کتاب مولانا سید حامد علی مرحوم کی کتاب "تعبیر القرآن" سے ملتی جلتی ہے اور جدید ذہن اور جدید اسلوب کے لحاظ سے انتہائی مفید ہے۔ امید کہ دستک چاہنے والوں کو اس سے استفادہ کیا جائے گا۔

چند پہلو قابل توجہ ہیں جن کی اصلاح اگلے ایڈیشن میں ضرور ہونی چاہئے:

۱۔ جا بجا کتابت کی غلطیاں ہیں۔ حتیٰ کہ ٹائیٹل پر کتاب کا نام تک غلط لکھ گیا ہے "الالف والباء" کو الف والباء" تحریر کیا گیا ہے۔ نصابی کتاب ہے اس میں تصحیح کو زیادہ ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

۲۔ رسم الخط ہر حصے میں یکساں رہنی چاہئے۔ پہلے حصے میں اردو رسم الخط مناسب نہیں ہے اسے بھی عربی کر دینا چاہئے تاکہ شروع ہی سے عربی رسم الخط ذہن نشین ہو۔

۳۔ طریقۂ تدریس پر تفصیل سے نوٹ چڑھا دیا جائے تو بہتر رہے گا، کیونکہ عام معلمین ابھی اس طریقۂ تدریس سے بہت زیادہ مانوس نہیں ہیں۔

۴۔ حاشیوں میں جو آیات و احادیث نقل کئے گئے ہیں ہر جگہ ان کے حوالے ہونے چاہئیں۔ کہیں ذکر کیا گیا ہے اور کہیں نہیں۔ یہ اچھی علامت نہیں ہے۔ اسی طرح حوالوں کو قوسین کے اندر بند کرنا چاہئے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان کے جو ترجمے نقل کئے گئے ہیں ان میں ہر جگہ یکسانیت رہنی چاہئے تاکہ معصوم ذہن پراگندہ نہ ہو۔ مثلاً ج ۱ ص ۱ پر الحمد للہ کا ترجمہ "تمام تعریف اللہ کیلئے ہیں۔" کیا گیا ہے جبکہ ج ۲ ص ۱۰ پر الحمد للہ کا ترجمہ "تمام تعریفیں اللہ کیلئے ہے"۔ اسی طرح ملاحظہ فرمایئے "رب زدني علما" کے ترجموں کو جو ج ۱ ص ۷ اور ج ۲ ص ۱۸ پر نقل کئے گئے ہیں۔

۵۔ ج ۲ ص ۱۰ پر حروف تہجاء مذکور ہیں اس کے شروع میں ء (ہمزہ) اور ماقبل آخر یعنی "ی" سے پہلے بھی ء (ہمزہ) لکھا گیا ہے۔ حالانکہ کسی ایک مقام پر ذکر ہی درست ہو سکتا ہے۔ عربی کی رعایت ہو تو آغاز میں اور اردو کی رعایت ہو تو ما قبل آخر، یہاں عربی کی رعایت ہی زیادہ مناسب ہے۔

جامعہ کے لیل و نہار

ادارہ

سعودی وفد کی آمد: ۲۲ جولائی ۹۹ء کو سہ رکنی سعودی وفد نے جامعہ کو رونق بخشی جو وزارت تعلیم میں تربیتی امور کے ذمہ دار شیخ محمد بن عبد العزیز الحمید ان اور جامعہ امام محمد ابن سعود الاسلامیہ ریاض کے دو معزز اساتذہ ڈاکٹر باسم فیصل الجبار وغیرہ ڈاکٹر عبد الرحمان عبد الجبار الفریوائی پر مشتمل تھا، یہ وفد دعوتی و تبلیغی دورے پر تھا، مختلف اہم مدارس کی زیارت کرتا ہوا یہاں پہنچا تھا۔ مختلف اداروں اور مسلمانوں کی صورت حال سے واقفیت بھی حاصل کرنا ان کے پیش نظر تھا۔ چنانچہ انہوں نے یہاں ہر شعبہ کا جائزہ لیا بالخصوص نصاب تعلیم اور بچیوں کی تعلیم کے نظم پر انہوں نے خوشی کا اظہار کیا۔ چونکہ بعد ششماہی طلبہ و اساتذہ گھروں کو جا چکے تھے اس لئے ان سے انہیں نہ ملنے کا افسوس رہا۔ بعد نماز عصر جامعہ کی مسجد میں نمازیوں کو تذکیر کی اور بعد نماز مغرب بازار کی مسجد میں خطاب عام کا پروگرام رہا جس میں انہوں نے قرآن و سنت کی روشنی میں مقام، رسولؐ کی وضاحت کی اور اتباع سنت پر زور دیا۔

بعد میں ذمہ داران مدرسہ کے ساتھ تبادلۂ خیال کرتے ہوئے انہوں نے توجہ دلائی کہ تمام تحریکوں، جماعتوں اور مسالک و مدارس کے مابین باہمی تعاون کی فضا پیدا ہونی چاہئے اسکی ہندوستان میں بہت کمی ہے۔ الحمد للہ جامعۃ الفلاح اس پہلو سے ممتاز ہے کیونکہ اس نے آغاز سفر ہی سے اغراض و مقاصد میں شامل کر رکھا ہے: "ایسے افراد تیار کئے جائیں گے جو گروہی، جماعتی اور مسلکی اختلافات سے بالاتر ہو کر وسعت قلب و نظر کے ساتھ معاشرے کی اصلاح و تعمیر کا فریضہ انجام دے سکیں۔ اسی طرح منافرت و کشی کے بجائے قربانی کے جذبوں کو پروان چڑھائیں اور

جذبہ اخلاص کی بھرپور آبیاری کریں۔

دار الشفاء کی تعمیر کا آغاز: روزمرہ طبی ضروریات کیلئے دار الشفاء کی ضرورت بہت شدت سے محسوس کی جارہی تھی۔ ذمہ داران جامعہ بھی کافی دنوں سے اسکے لئے کوشاں تھے الحمد للہ اب انھیں کامیابی مل گئی ہے۔ مجوزہ خاکہ دو منزلہ ہے جو ۸۰×۴۰ کے رقبہ پر مشتمل ہوگا۔ فی الحال نچلے حصوں کی تعمیر کا کام شروع ہوچکا ہے جس میں تمام سہولیات کے ساتھ ۸ بیڈ کا انتظام ہوسکے گا۔ یہ باب الفلاح سے اندر داخل ہوتے ہی ٹھیک اتر جانب تعمیر کیا جارہا ہے۔ اسی طرح کا دار الشفاء کلیۃ البنات کے کیمپس میں بھی تعمیر ہونا ہے جسکا پلان تیار ہے لیکن ہنوز اہل خیر حضرات کی توجہ کا طالب ہے۔

جو بڑھ کے خود اٹھالے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے۔

ہومیو سینٹر کا قیام: وابستگان جامعہ کی طبی سہولت کیلئے جامعہ نے باضابطہ ہومیو سینٹر قائم کردیا ہے۔ فی الحال یہ باب الفلاح کے جنوبی کمرہ میں چلے گا۔ اس کے انچارج استاذ جامعہ ماسٹر منور علی صاحب بنائے گئے ہیں۔ اللہ انھیں بیش از بیش خدمات کی توفیق ارزانی کرے۔ آمین۔

شعبہ جات کی لائبریریوں کا قیام: شعبہ جات کی الگ الگ ضرورتوں کے پیش نظر ہر شعبہ سے متصل لائبریریوں کا قیام کافی دنوں سے پیش نظر تھا۔ الحمد للہ اب اسے عملی جامہ پہنا دیا گیا ہے اور ہر شعبہ کی الگ الگ لائبریری قائم کردی گئی ہے جس سے طلبہ اور اساتذہ خالی اوقات میں استفادہ کرسکیں گے۔

نو واردان بساط چمن: جناب محمد راشد صاحب کی تقرری بحیثیت لائبریرین عمل میں آئی ہے۔ آپ گورکھپور کے رہنے والے ہیں۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے B.Lib. اور M.Lib. کیا ہے۔ نیز مولانا آزاد لائبریری میں بھی کام کرچکے ہیں۔ یکم جولائی سے آپ نے یہاں کام کرنا شروع کردیا ہے۔

اسی طرح محترمہ نصرت جہاں صاحبہ فلاحی کی تقرری کلیۃ البنات کی لائبریری کے لئے معاون لائبریرین کی حیثیت سے ہوئی ہے۔

اللہ سے دعا ہے انھیں جامعہ کی تعمیر وترقی میں فعال کردار ادا کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین!

کلیۃ البنات میں اسٹور کا قیام: کلیۃ البنات (ہاسٹل) میں بھی ایک اسٹور قائم کیا گیا ہے جس میں بنیادی ضروریات کے سامان رکھے گئے ہیں تاکہ طالبات کو اپنی ضرورتوں کی تکمیل میں سہولت ہو۔ اس کے نگراں جناب عبد الاحد صاحب مقرر کئے گئے ہیں۔

تدریس کا آغاز: الحمد للہ بعد تعطیل ششماہی ۲۵ جولائی ۱۹۹۸ء سے دوبارہ تعلیم کا آغاز ہوچکا ہے۔ جامعہ کی کھوئی ہوئی بہار لوٹ آئی ہے۔ تازہ دم طلبہ حصول علم کے لئے کچھ زیادہ ہی جویاں لگ رہے ہیں۔

نتائج امتحان کا اعلان: رات دن ایک کرکے ذمہ داران امتحان و اساتذہ کرام نے نتائج امتحان مدرسہ کھلنے سے پہلے ہی تیار کرلئے تھے۔ طلبہ کے آتے ہی انھیں ان کے نتائج سے آگاہ کردیا گیا ہے تاکہ اس کی روشنی میں وہ ابھی سے منصوبہ بندی کے ساتھ آئندہ کے لئے کوشش شروع کردیں۔

خوشی کی بات: یہ اطلاع دیتے ہوئے ہمیں بے حد مسرت ہورہی ہے کہ برادر محترم ضیاء الدین ملک فلاحی صاحب (فضیلت ۱۹۸۸ء) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبہ اسلامک اسٹڈیز میں لکچرر ہوگئے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ انھیں مزید ترقی عطا کرے اور اپنی رضا کے لئے کام کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین!

اظہار تعزیت: بڑے رنج و غم کے ساتھ یہ خبر دے رہے ہیں کہ برادر مکرم جناب محمد طارق خاں صاحب فلاحی (فضیلت ۱۹۸۰ء) کے والد محترم جناب عبد الرزاق صاحب ۱۱ر جون ۱۹۹۸ء کو اللہ کو پیارے ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ تھی

مبارک ہے یہ موت کہ وضو کرتے کرتے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اللہ سے دعا ہے کہ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عنایت کرے۔ آمین ادارہ ابنائے جامعہ ان کے غم میں سوگوار ہے کیونکہ انہیں جامعہ سے کافی محبت تھی۔

۲۹ جولائی ۱۹۹۸ء کو بذریعہ فون اچانک یہ افسوسناک خبر ملی کہ صدر انجمن طلبہ قدیم مولانا رحمت اللہ اثری فلاحی مدنی صاحب کا بھانجا عمر رحمانی ۲۸ جولائی ۱۹۹۸ء کو سیلاب کے پانی میں ڈوب کر اللہ کو پیارا ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اپنے ننھیال دلمہ مئو کی ہی میں الحراء الکیڈمی کے اندر زیر تعلیم تھے۔ عمر تقریباً دس سال تھی۔

ادارہ صدر انجمن اور پسماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے اور دعا کرتا ہے کہ اللہ انہیں صبر جمیل کی توفیق عنایت فرمائے اور مرحوم کو آخرت میں ان کے لئے نجات و سرخروئی کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

خطوط و رسائل

محترم ایڈیٹر صاحب حیات نو! السلام علیکم

میں نے مولانا امین احسن اصلاحی کے خطبے میں ایک تحریر آپ کو بھیجی تھی جو مارچ ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی۔ اس پر مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب نے چند باتیں تحریر فرمائی ہیں جو اپریل کے حیات نو میں شائع ہوئی ہیں۔ اس پر چند باتیں تحریر کرتا ہوں۔

رسالہ الاصلاح کے بارے میں میں نے مدرسۃ الاصلاح پہنچ کر معلومات حاصل کیں اور دار المعلومات میں موجود پرانی فائلوں کو دیکھا۔ پہلا شمارہ جنوری ۱۹۳۶ء میں نکلا اور آخری شمارہ ۱۹۴۰ء میں نکلا لیکن باوجود تلاش کے مجھے دار المعلومات میں آخری پرچہ نہیں مل سکا۔ مولانا عبد الرحمٰن ناصر صاحب نے فرمایا کہ آخری پرچہ دسمبر ۱۹۴۰ء میں نکلا تھا مگر مجھے مل نہ سکا۔ ہو سکتا ہے وہ پرچہ فائل سے غائب ہو گیا ہو، ہو سکتا ہے بقول مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب آخری پرچہ نومبر تک ہی شائع ہوا ہو بہر حال تحقیق شدہ بات وہی ہے جو میں نے اوپر لکھی ہے۔ میری پہلی بات صحیح نہ تھی۔

۲۔ میرا رجحان اب بھی یہی ہے کہ مولانا ابو اللیث صاحب نے مولانا امین احسن اصلاحی سے نہ تو درجے میں ہی پڑھا ہے اور نہ ہی الگ سے استفادہ کیا ہے۔ میں یہ بات اس لئے کہتا ہوں کہ عربی اول و عربی دوم میں مدرسۃ الاصلاح کے اندر نحو و صرف کی ہی تعلیم حاصل ہوتی تھی اور اب بھی یہی ہے۔ عربی دوم میں صرف کتاب الامثال ادب کی ایک کتاب داخل نصاب رہی ہے اور اس کی تدریس بھی نحو و صرف کی مشق پر زیادہ ہی ہوتی ہے اور مولانا امین احسن صاحب کو نحو سے کبھی لگاؤ نہیں رہا۔ یہ بات اس لئے کہہ رہا ہوں کہ جب ۱۹۴۳ء میں میری قرآن کی تختی عربی چہارم کی ان کے پاس گئی تو ہم لوگ اتنے باصلاحیت نہیں تھے کہ مولانا کی شایان شان سوالات کر سکتے۔ صرف نحوی سوالات ہم

لوگ کرتے تھے کسی پر موکا گمان کرتے تھے کہ جاؤ مولوی اختر سے پڑھو۔ انکو نحوی سوالات سے بہت شغف رہتا تھا۔ جب ہماری کلاس بھی تھی تو کہتے کیا آپ آگیا ہے نحو کا ملکہ ہے۔ اس بنا پر میں نے قیاس کیا کہ نحو سے انکو لگاؤ نہیں تھا اسلئے نیچے کے درجات اگلے پڑھی مجھی ندرے ہوئے اور عربی سوم کے درمیان سے ہی مولانا ابواللیث صاحب چپکے سے ندوہ روانہ ہو گئے۔

رہا انکے استفادہ کرنے کا معاملہ تو دو وجوہ سے یہ بھی خلاف قیاس ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ عربی دوم اور عربی سوم کا طالب علم کسی بلند مرتبہ استاد سے استفادہ کرنے کا بالعموم شعور نہیں رکھتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مولانا اصلاحی مرحوم کے پاس منتہی طلبہ بھی پہنچنے کی ہمت نہیں کرسکتے تھے چہ جائیکہ عربی سوم کا طالب علم۔ جو لوگ مولانا اصلاحی مرحوم کے مزاج کو جانتے ہیں وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ بس مختصراً مولانا صدر صاحب کے بقول یہ سمجھ لیجئے کہ وہ صاحب جاہ و جلال بادشاہ تھے۔ اچھے اچھے لوگ ان کے پاس جاتے ہوئے ڈرتے تھے۔

۳۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب نے مولانا امین احسن صاحب اصلاحی مرحوم کی پہلی بیوی کے انتقال کے بارے میں جو سن تحریر فرمایا ہے وہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اگر مولانا ضیاء الدین صاحب مولانا مودودی کا تعزیت نامہ شائع کر دیتے تو مزید شرح صدر حاصل ہو جاتا۔

۴۔ بعض لوگوں کو رسالہ الاصلاح اور رسالہ اصلاح کے بارے میں بھی غلط فہمیاں ہیں۔ اس کی صحیح صورت حال لکھتا ہوں:۔

رسالہ الاصلاح کے بارے میں اوپر لکھ چکا ہوں۔ اب رہا رسالہ اصلاح تو وہ مولانا ابواللیث صاحب کی ادارت میں شائع ہوا تھا اور وہ سہ ماہی تھا۔ کبھی پابند نہیں رہا۔ اس کا پہلا شمارہ جنوری فروری مارچ ۱۹۴۲ء میں نکلا اور آخری پرچہ اکتوبر تا دسمبر ۱۹۴۲ء میں نکلا۔ یعنی صرف ایک سال جاری رہا اور اس کے کل چار شمارے شائع

ہوئے۔ مولانا ابواللیث صاحب پہلے سہ ماہی کو جاری کرتے ہوئے شذرات میں تحریر فرماتے ہیں "پورے سوا سال کے وقفے کے بعد مرحوم الاصلاح کی جگہ یہ سہ ماہی اصلاح مدرسہ کے ہمدردوں، دائرہ حمیدیہ کے خیر خواہوں اور اصلاح مرحوم کے قدردانوں کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہے۔ یہ الاصلاح کے بجائے صرف اصلاح ہے یعنی الاصلاح پر جو عربیت اور علمیت کا بوجھ لدا ہوا تھا اس پر سے اتار لیا گیا ہے۔"

اور جب اصلاح سہ ماہی بند ہوا تو آخری سہ ماہی میں حسب ذیل عبارت کے ساتھ اسکو بند کیا گیا۔ "یہ اطلاع رنج دہ ثابت ہوگی کہ اصلاح کی آئندہ اشاعت یقینی نہیں ہے لیکن کیا کیا جائے جب حالات بالکل قابو سے باہر ہو جائیں تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔" (شذرات ص ۶) اور اس سے پہلے صفحہ ۵ پر مولانا شذرات میں ہی تحریر فرما چکے ہیں کہ "لیکن گزشتہ چند ماہ میں کاغذ کی قیمت میں اتنا اضافہ ہو گیا ہے اور ہوتا جا رہا ہے کہ اب مدرسہ کیلئے اس بار کا تحمل بالخصوص موجودہ حالات میں بہت مشکل نظر آرہا ہے اور اگر یہ مشکل حل بھی ہو جائے تو کاغذ کی کمیابی بلکہ نایابی کی مشکل کا کوئی حل سمجھ میں نہیں آتا۔ خود اس پرچہ کیلئے کاغذ بہت دشواری سے حاصل کیا جا سکا۔" (شذرات ص ۵ چوتھی سہ ماہی)

مولانا امین اصلاحی مرحوم نے ۱۹۴۲ء میں عربی چہارم میں ہمارے درجے کو قرآن مجید پڑھایا تھا۔ اس سے جو لوگ بھی یہ سمجھے ہوں کہ مولانا ۱۹۴۲ء سے پہلے مدرسۃ الاصلاح چھوڑ کر مولانا مودودی کے پاس چلے گئے تھے وہ اپنے خیال کی اصلاح کر لیں لیکن پاکستانی حضرات نے بھی مولانا کے بارے میں بے بنیاد باتیں لکھ دی ہیں اور اسے پڑھنے اور اس کا حوالہ دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ بہت مضبوط بات لکھ رہے ہیں کیونکہ حوالے کے ساتھ ہے جبکہ حوالوں کا غلط ہونا بھی ممکن ہوتا ہے۔

جو لوگ مولانا کی جماعت سے علیحدگی کی تاریخ کے بارے میں مختلف باتیں لکھ رہے ہیں ان کے خیال کے اصلاح کے لئے میں نیچے محترم مولانا سراج احسن

صاحب امیر جماعت اسلامی ہند کا ایک خط درج کر رہا ہوں ملاحظہ فرمائیں:۔

"کل میں رامپور آیا تو آپ کا ۲۵ / دسمبر ۱۹۹۷ء کا لکھا ہوا گرامی نامہ نظر سے گزرا۔ مولانا امین احسن اصلاحی کی تاریخ پیدائش، ان کا جماعت سے تعلق پھر ان کی علیحدگی کی تاریخ سب ذہن میں ہے۔ ۱۲ / جنوری ۱۹۵۸ء کو وہ مستعفی ہوئے تھے۔ جولائی ۱۹۵۸ء میں ان سے مکہ مکرمہ میں حج کے بعد ملاقات ہوئی تھی۔"

(اقتباس خط ۵ / جنوری ۱۹۹۸ء بنام قاری جلال الدین چاند پوری کا)

بعض نے اصلاحی حضرات یہ بھی لکھ رہے ہیں کہ جماعت اسلامی ۱۹۴۱ء میں قائم ہوئی اور فوراً مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم اس میں شامل ہوئے اور مولانا مودودی کے بلانے پر یہاں سے چلے گئے۔ اس طرح کی باتیں لکھنا خلاف واقعہ ہے۔

مولانا اصلاحی مرحوم نے مدرسۃ الاصلاح کو اس لئے نہیں چھوڑا تھا کہ جماعت اسلامی سے ان کو تعلق ہوا اور مولانا مودودی نے ان کو بلا لیا۔ ہمیشہ سے تعلیم یافتہ اور سنجیدہ حلقوں میں یہ رواج رہا ہے اور ہے کہ کوئی آدمی کسی ادارے کے کسی کارکن کو اس وقت تک اپنے کام کے لئے نہیں بلاتا جب تک ادارے کو جس میں وہ کام کر رہا ہے اس کے لئے رضامند نہ کر لے یا وہ کارکن کسی مجبوری کی بنا پر اس ادارے سے خود مستعفی نہ ہو گیا ہو۔ اس کے بعد ہی کوئی دوسرا آدمی اسے اپنے کام کیلئے بلاتا ہے۔ مولانا مودودی تعلیم یافتہ آدمی تھے اور صاحب فہم بھی اور جماعت اسلامی پڑھے لکھے سنجیدہ لوگوں کی جماعت سمجھی جاتی ہے۔ وہ یہ ہرگز نہیں کر سکتے تھے، جس کا الزام بعض لوگ مولانا مودودی پر لگا دیتے ہیں۔ مجھے تحقیقی طور پر یہ بات معلوم ہے کہ مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم مدرسۃ الاصلاح سے بددل ہو کر پہلے ہی الگ ہو چکے تھے اور مہور اپنے وطن چلے گئے تھے۔ اس کا اشارہ مولانا عبدالرحمن ناصر اصلاحی جامعی صاحب نے اپنے ایک مراسلے میں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (حیات نو اپریل ۱۹۹۸ء صفحہ ۸ کالم ۲)

جب میں نے یہ اشارہ حیات نو میں پڑھا تو مولانا ناصر صاحب سے ملاقات کی اور اس کی تفصیل جاننی چاہی تو محترم موصوف نے فرمایا۔ مولانا امین احسن اصلاحی مدرسے سے بددل ہو کر مہور چلے گئے تھے اور وہ وہاں رہ کر علمی کام کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ان کیلئے انھوں نے اپنے گھر سے ایک چھوٹے سے کھپریل پوش کمرے میں تختے لگوائے تھے اور ارادہ تھا کہ اس میں بیٹھ کر علمی کام انجام دیں۔ میں (ناصر صاحب) ان سے ملنے کیلئے مہور گیا اور یہ سب دیکھا۔ میں نے خود ان سے یہ پوچھا کہ یہ علمی کام کرنے کیلئے رقم کی ضرورت ہوگی تو مولانا نے نفی میں جواب دیا البتہ یہ فرمایا کہ آجکل مٹی کا تیل (کیروسین آئل) نہیں مل رہا ہے۔ جنگ کے اثرات کی وجہ سے اس کی بڑی کمی ہے تو میں (ناصر صاحب) اعظم گڑھ شہر آیا اور ایک ٹن مٹی کا تیل لے جا کر مولانا کی خدمت میں پیش کیا۔ مولانا موصوف چار پانچ ماہ مہور میں رہے اس کے بعد مولانا مودودی نے مہور سے ان کو اپنے پاس بلا لیا۔ مدرسۃ الاصلاح چھوڑنے کے بعد مولانا اپنے وطن مہور میں کب سے کب تک رہے اور مدرسہ سے کیوں الگ ہوئے، کب الگ ہوئے، متعین تاریخ مولانا ناصر صاحب سے مجھے معلوم نہ ہو سکی۔ ہو سکتا ہے ان کے پاس یہ معلومات ہوں۔ پرانی معلومات کے دوسرے ذرائع بھی ہیں اور ہو سکتا ہے میری ان سطروں کو پڑھنے کے بعد وہ کوئی تفصیلی مراسلہ برائے اشاعت روانہ فرمائیں جس سے افادۂ عام کے قارئین بے حد خوش ہوں گے۔

خیر میں نے مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم کی کتابوں کے رائلٹی کے بارے میں جو پہلے لکھا تھا وہ صحیح ہے لیکن ان کی تصنیفات سے اب بھی ان کے لڑکے ابو سعد صاحب کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ میں نے مولانا ضیاء الدین صاحب کے یہ لکھنے پر کہ "مولانا کی تصنیفات جماعت اسلامی ہند کا مرکزی مکتبہ شائع کر رہا ہے ان سے بھی ان کے اعزہ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا" میں نے منیجر مرکزی مکتبہ دہلی جناب جاوید اقبال صاحب کو ایک خط لکھ کر حقیقت حال جاننے کی کوشش کی۔ ان کا جواب موصول ہوا انہیں کے الفاظ میں یہ ہے۔ -

مرکزی مکتبہ اسلامی
MARKAZI MAKTABA ISLAMI
Publishers & Book-Sellers
1353, CHITLI QABR, DELHI - 110 006 PHONE : 3262862

مورخہ ۱۱ جون ۱۹۹۸ء

محترم و مکرم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بخیر ہوں۔

عنایت نامہ مورخہ ۲۹ اپریل ملا، شکریہ۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ جناب ضیاء الدین اصلاحی صاحب نے اپنے مضمون میں شکایت کی ہے کہ مرکزی مکتبہ اسلامی نے مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم کی کتب شائع کر دی ہیں اور اس کی رائلٹی ان کے ورثہ کو نہیں دی جاتی۔ موصوف ایک تحقیقی ماہنامہ کے مدیر ہیں اور معروف عالم دین بھی، اس لئے ان کے لئے ضروری تھا کہ تحقیق فرما لیتے۔

مولانا امین احسن صاحب نے اپنے خط میں ہدایت کی تھی کہ ان کی کتابوں کی رائلٹی ان کے بیٹے ابوالاسعد اصلاحی کو دی جائے۔ چنانچہ مرحوم کی ہدایت کے مطابق ہم ابوالاسعد صاحب کو رائلٹی دے رہے ہیں۔

وصاحب کی خدمت میں سلام مسنون

والسلام

[illegible]

بخدمت

محترم جناب مولانا ضیاء الدین اصلاحی

دارالمصنفین

اعظم گڑھ

مرکزی مکتبہ اسلامی

دہلی

[illegible]

مرکزی مکتبہ اسلامی کے منیجر کا مذکورہ گرامی نامہ جب مجھے موصول ہوا تو اطمینان کی سانس حاصل ہو گیا مگر چند دیگر سوالات میرے ذہن میں پیدا ہوئے جنہیں میں نے بذریعہ ڈاک منیجر مکتبہ کو روانہ کیا اور ان سے ان کے جوابات کی درخواست کی۔ میرا سوال یہ تھا کہ کن کن کتابوں پر رائلٹی دی جا رہی ہے۔ اس کا جو جواب انہوں نے دیا ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

MARKAZI MAKTABA ISLAMI PUBLISHERS
D-307, DAWAT NAGAR, ABUL FAZL ENCLAVE, JAMIA NAGAR OKHLA, NEW DELHI - 110 025 PHONE : [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گرامی قدر!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا مدد ... کارڈ ملا۔ جواباً عرض ہے کہ مولانا امین احسن اصلاحی کی درج ذیل کتابوں کی رائلٹی مکتبہ ادا کر رہا ہے:

(۱) حقیقت توحید (۲) حقیقت شرک

(۳) حقیقت تقویٰ (۴) دعوت دین اور اس کا طریقہ

(۵) جماعت اسلامی کے اثرات اور اختلاف کا دور

ان پانچوں کتابوں کی رائلٹی مولانا ابوالاسعد اصلاحی کی طلب پر ادا کی جا رہی ہے۔

والسلام

[illegible]

(محمد جاوید اقبال)

بخدمت جناب مولانا ضیاء الدین اصلاحی

جامعۃ الفلاح

اعظم گڑھ

[illegible] ۱۹۹۸ء

مذکورہ تصنیفات میں سے نمبر ۲ کی کتاب یعنی حقیقت شرک کے بارے میں مجھے یقین کے ساتھ یہ معلوم ہے کہ یہ کتاب مولانا اصلاحی مرحوم کی ذاتی ملکیت تھی کیونکہ انہوں نے یہ کتاب دوران ملازمت مدرسۃ الاصلاح تصنیف فرمائی تھی اور ہم دونوں کو قرآن مجید کی تحقیق میں اس کے بعض نکتے زبانی سناتے بھی تھے اور فرماتے تھے کہ یہ میری زیر تصنیف کتاب حقیقت شرک میں درج ہے۔ اسی سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ "حقیقت شرک" سنہ ۱۹۳۲ء میں مدرسۃ الاصلاح میں تصنیف کی گئی ہے لہٰذا یہ کتاب مولانا کی ملکیت ہوئی نہ کہ جماعت اسلامی کی لہٰذا اس کتاب کی رائلٹی مولانا کو اور ان کی وفات کے بعد انکے ورثاء کو ملنی ہی چاہئے لیکن بقیہ دیگر تصانیف جن کا ذکر مذکورہ بالا گرامی نامہ میں ہے وہ مولانا اصلاحی مرحوم کی ذاتی ملکیت نہیں ہیں بلکہ یہ کتابیں انہوں نے جماعت اسلامی سے معاوضہ لیکر تصنیف فرمائی تھیں لہٰذا ان کی ملکیت جماعت اسلامی کی ملکیت مانی جائیگی اور انکی رائلٹی مولانا کو یا مولانا کے ورثاء کو ملنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کیونکہ دنیائے تصنیف کا یہ معروف قاعدہ ہے کہ مشاہرہ لے کر تصنیف تیار کرنے والے رائلٹی نہیں پایا کرتے چنانچہ مجھے یہ معلوم ہے کہ مولانا عبد السلام ندوی مرحوم جو دارالمصنفین شبلی اکیڈمی میں بحیثیت ہمہ وقتی مصنف کے کام کرتے تھے مرحوم نے تحقیقی تصانیف تیار فرمائی تھیں لیکن اس کی رائلٹی ان کے ورثہ کو نہیں مل رہی ہے۔ اسی طرح مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب مدظلہ العالی بھی اسی دارالمصنفین میں ہمہ وقتی مصنف تھے اور انہوں نے بھی چند تصانیف تیار فرمائی تھیں مجھے معلوم ہے کہ ان کو بھی ان تصنیفات کی رائلٹی نہیں مل رہی ہے اور یہی ہر ادارے میں رائج ہے اور یہی معقول بات بھی ہے لیکن مرکزی مکتبہ اسلامی جو جماعت اسلامی کی قائم کردہ ہے اور اب ٹرسٹ بنا دیا گیا ہے اپنے اخلاق کریمانہ اور طریقہ فیاضانہ کے تحت اپنی علالت والی کتابوں کی رائلٹی مولانا اصلاحی مرحوم کے ورثاء کو دے رہا ہے۔ ایسا اخلاقی معاملہ تو شاید ہی کہیں دیکھنے کو ملے۔ مولانا اصلاحی مرحوم کی مذکورہ تصنیفات

جماعت اسلامی پاکستان کی ملکیت ہیں مگر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کے زمانے میں ہی کم و بیش ۱۹۵۰ء سے یہ معاملہ تحریری طور سے طے ہوا تھا کہ جماعت اسلامی پاکستان کی تمام تصنیفات جماعت اسلامی ہند کی بھی ملکیت مانی جائیں گی۔ چنانچہ اس معاہدے کے تحت مذکورہ تصنیفات جماعت اسلامی ہند کی ملکیت ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرکزی مکتبہ اسلامی کے ذمہ داروں کو جزائے خیر دے کہ انکا فیاضانہ معاملہ اپنے محسنین کے ساتھ کیا ہے۔ یہ بات عام طور سے دیکھی جاتی ہے کہ ایک فرد ایک جماعت کے معاملہ میں مالی اعتبار سے کمزور ہوتا ہے شاید ذمہ داران مکتبہ نے یہ سوچا ہو کہ ایک فرد کو قانون سے زائد مالی فائدہ پہنچ جائے تو بہتر ہی ہوگا۔ مکتبہ فرد کے مقابلہ میں بہر حال مستغنی اور مالدار ہے لہٰذا انکی قربانی اور ایثار انکے لئے کوئی بڑی قربانی نہیں ہوگی۔ میرا ذاتی رجحان اسی طرف گیا ہے۔"

میرا خیال ہے کہ مولانا ضیاء الدین صاحب اصلاحی کی یہ شکایت دور ہو گئی ہو گی کہ مولانا اصلاحی مرحوم کی تصنیفات کا کوئی فائدہ ان کے ورثاء کو نہیں مل رہا ہے۔

بعض اصلاحی بھائیوں نے یہ لکھا ہے کہ مولانا اصلاحی مرحوم ۱۹۴۲ء میں مدرسۃ الاصلاح چھوڑ کر پٹھان کوٹ چلے گئے اور بعض بھائیوں نے یہ لکھا ہے کہ ۱۹۴۱ء میں گئے یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ لیکن یہ باتیں ایسی نہیں ہیں کہ اس سے مدرسہ یا مولانا اصلاحی مرحوم پر یا اصلاح رسالے پر کوئی دھبہ لگتا ہو لیکن اگر کوئی صاحب یہ لکھ دیں کہ مولانا اصلاحی مرحوم نے اپنے بال بچوں کو بے سہارا چھوڑ دیا اور کبھی خبر نہ لیا کوئی صاحب یہ لکھ دیں کہ جماعت اسلامی کا مکتبہ مولانا اصلاحی مرحوم کے ورثاء کو انکی تصنیفات کی رائلٹی نہیں دے رہا ہے تو ان دونوں باتوں سے ایک معزز شخصیت اور ایک ایسی جماعت پر دھبہ لگتا ہے۔ اسلئے کوئی دھبہ لگانے والی بات جب نوک قلم پر آئے تو مقالہ نگار کو اپنا قلم روک لینا چاہئے اور معاملہ کی پوری تحقیق کر لینی چاہئے۔

(اس خط کے ساتھ یہ سلسلہ بند کیا جا رہا ہے کیونکہ ضروری حد تک وضاحتیں آچکی ہیں مزید کے لئے براہ راست متعلقہ افراد سے رابطہ کریں)۔ (ادارہ)

بین المدارس مقابلہ قراءت، تقریر و تحریر

زیر اہتمام جامعۃ الفلاح بلریا گنج، اعظم گڑھ (یو۔پی۔)

تاریخ ۲۲، ۲۳، ۲۴ ستمبر ۱۹۹۸ء

گروپ A	عربی ششم تا عربی ہفتم (B.A.)
تقریر بزبان اردو	"ہمارے نوجوان اور ہندوستان"
مقالہ بزبان اردو	"بھارت پر اسلام کے اثرات"
تقریر بزبان عربی	"لا سبيل إلا الإسلام"
مقالہ بزبان عربی	"مكانة المرأة في الإسلام"
تقریر انگریزی	"Education & Morality"
تقریر ہندی	"इस्लाम और अहिंसा"
گروپ B	عربی اول تا عربی چہارم (ہائی اسکول، انٹرمیڈیٹ)
تقریر بزبان اردو	"اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر"
مقالہ بزبان اردو	"اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ"
تقریر بزبان عربی	"دور الشباب في بناء المجتمع"
تقریر انگریزی	"The Massage of Islam"
تقریر ہندی	"इस्लाम का संदेश मानवता के नाम"
گروپ C	درجات ۶ تا ۸
تقریر بزبان اردو	"پیارے نبی ﷺ کیسے تھے"
تقریر ہندی	"इस्लाम और सामाजिक न्याय"
مقابلہ قراءت	"سورۃ الذاریات کا آخری رکوع (آیت ۴۳ سے ۶۰)

نوٹ: قراءت کے مقابلہ میں کسی بھی درجہ کا طالب علم شرکت کر سکتا ہے۔

دعوت نامے تمام مدارس کو روانہ کر دیے گئے ہیں۔ اگر نہ ملا ہو تو رابطہ قائم کریں۔